اِندر سبھا

مُصنّفہ

سیّد آغا حسن رضوی امانتؔ لکھنوی

دارُالاشاعت پنجاب لاہور

"اندر سبھا مغرب کے اکثر
ڈراموں سے بہتر ہے"

(عشرت رحمانی)

تماشا ہے بظاہر بزم و محفل خوبرویوں کا
جو چشمِ غور سے دیکھو تو فانوسِ خیالی ہے

اِندر سبھا

مصنفہ

سیّد آغا حسن رضوی۔ امانت لکھنوی

مرتّبہ

نور الٰہی و محمدؐ عمر

دار الاشاعت پنجاب لاہور

اِندر سبھا

تعارف

وجہ تصنیف | ہندوستان کے پراچین فنون سے ایک مہتم بالشان فنِ ناٹک ہے۔ جسے برہمانے اندر کے ایما سے ایجاد کیا۔ اور اُس کا نام نٹ وید رکھا۔ پہلے ناٹک کی نمائش رشی بھرت کی قیادت میں آکاش منڈل میں ہوئی۔ اور بڑے بڑے دیوتاؤں نے اُس میں پارٹ کیا۔ مادّی نقطہ نگاہ سے بھی ہندوستان کا ڈراما کچھ کم عظیم الشان نہیں۔ دُنیا کے اُس عہدِ طفولیت میں جسے اصطلاحاً زمانۂ ماقبل تاریخ کہتے ہیں۔ بھرت شاستر کا مرتب ہونا اس بات پر دال ہے۔ کہ اُس وقت فنِ ناٹک منازلِ ابتدائی طے کرکے معراجِ کمال کی حد تک جا پہنچا تھا۔ اس کتاب میں ناٹک لکھنے اور اُن کی کھیلنے کی ہدایات کمال شرح وبسط سے درج ہیں۔ اس کے بعد نمبر سوئی کتھا کاری پرکاش۔ سارتھ درپن۔ اور سنگت درپن میں ڈراما کے اقسام ممنوعاتِ نمائش۔ ڈراما کی تشکیل۔ پلاٹ کی ترتیب۔ ارکانِ ڈراما کا انتخاب۔ ڈراما کی غرض وغایت۔ انشا۔ زبان اور جذبات آفرینی پر اس جامعیت اور تفصیل سے بحث کی ہے۔ کہ سنسکرت صرف ونحو کی جزئیات پسندی سے مماثلت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس فضا میں کالی داس۔ بھبھوتی۔ بھاسا اور ہرش دیو جیسے زندہ جاوید ڈراما نگاروں کا پیدا ہونا ناممکن تھا۔ یہ وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں۔ جو آج تک مہذب ترین ممالک عالم سے خراجِ تحسین حاصل کر رہی ہیں۔

ہندوستانی ڈراما کی ترقی کی رَو رفتار زمانے سے ہم عناں تھی۔ کہ بدھ جین اور ہندو مت کے باہمی منافشات اور خانہ جنگی نے اس کے قصرِ کمال کو متزلزل کر دیا۔ اور یہ فن ایک دم عرش سے فرش پر گر پڑا + اس کی وہ ناگفتہ بہ گت بنی۔ کہ اصول و قواعد۔ جذبات آفرینی۔ خصائل نگاری۔ پند و مواعظت۔ فطرت نمائی اور خیال بندی ہوا ہو گئے۔ اور بے اصولے لوگوں نے ناٹک کو ہوس پرستی اور عامیانہ مذاق کا گہوارہ بنا دیا + جہاں کبھی شکنتلا۔ وکرم اروسی۔ مرچھ کٹکا رتنا ولی۔ کرپور منجلی۔ مدرا راکش جیسے بلند پایہ اور ادبیت کی جان ناٹک پرانم پنڈتوں اور ذی حشم راجوں کو سنگت سال میں کھینچ لاتے تھے۔ وہاں اب تارا سا سانگم۔ بالا ہانی یو۔ سرنگتا چرتر۔ دروپدی دستر ہرن اور اسی قبیل کے مبتذل اور سوقیانہ تماشے دنی طبع اور رذیل لوگوں کی سرپرستی میں فن ناٹک کو بٹہ لگانے لگے + زمانے نے ایک اَور کروٹ لی۔ اور ان تماشوں کے سوتردھاروں نے سری کرشن جی۔ اور سری رام چندر جی کے تقدس کی آڑ میں اپنی بوالہوسی کے جوہر دکھانے شروع کئے +

اَب ہم اس مرحلے پر پہنچتے ہیں۔ جب فن ناٹک نے مسخ ہو کر رہس لیلا کی شکل اختیار کی۔ اس طرح جہاں تک ناٹک کا تعلق تھا۔ قدیم ہندی تہذیب کا جنازہ نکل گیا + مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں ڈراما کرنے والے بھگت باز کہلاتے تھے۔ اُنہیں روپیہ۔ جاگیریں اور معافیاں تو کثرت سے ملیں۔ لیکن ناٹک کی اصلاح کی طرف کسی نے توجہ نہ کی + اس کے بعد بھی ثقات رہس لیلا کی نمائش دیکھنے سے محترز رہے۔ مگر اوباش اور رندمنش لوگوں نے رہس دھاریوں کو دال روٹی کی فکر سے بے نیاز کر دیا +

ناٹک کی یہ ہیئتِ گذائی تھی۔ جب اُسے قیصر باغ میں بار ملا۔ اور واجد علی شاہ

نے اُس کے سر پر دستِ شفقت رکھا + کچھ عرصے تک تو آپ کرشن لیلا سے دل بہلاتے رہے "جس میں آپ کنہیا جی بنتے اور ممنوعات گوپیوں کا بھروپ بھرتیں" + پھر اپنی تصنیف کردہ مثنوی "غزالہ و ماہ پیکر" کی تمثیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور وہ راہس کی طرح ادا ہونے لگی " صدہا طوائف حسین و جمیل و خوش گلو اس راہس میں ملازم ہوئیں اور اُنھیں پارٹ کرنے کے لئے لباس فاخرہ و زیور مرصع عطا ہُوا" + اب "رنگیلے پیا" نے ترقی کے میدان میں ایک قدم اَور بڑھایا۔ اور اندر بننے کی دُھن سمائی +

ان ہی ایام میں کسی فرنگی سے مغرب کے تھیٹروں کے پردوں اور سازوسامان کا ذکر سُنا۔ اور اُنھیں بنوا کے دم لیا + اس کے بعد یہ حکم ہُوا۔ کہ اس اِلتزام کے ساتھ مغربی طرز کا ناٹک تیار ہو۔ کہ اندر کا اکھاڑہ اُس میں آجائے + مخفی نہ رہے۔ کہ ان دنوں پیرس اور دیگر بلاد یورپ میں ڈراما کی وہ قسم جسے اوپیرا کہتے ہیں زوروں پر تھی + دوم راگ ناٹک ہندی ڈراما کی صنف تھا۔ سوم لوازمات موسیقی کے بغیر بزم کی سج دھج ادھوری رہ جاتی تھی + چہارم نثر کا رواج بہت کم تھا۔ اس لئے لابدی تھا۔ کہ جو ناٹک لکھا جاتا۔ وہ نہ صرف نظم میں بلکہ موسیقی پر بھی محتوی ہوتا + چنانچہ اس فرض کی بجا آوری کے لئے میر امانت مرحوم منتخب ہوئے۔ اور انہوں نے سنہ ۱۲۷۰ھ میں اندرسبھا لکھ کر پیش کی +

نمائش اوپیرا

اندرسبھا کا تیار ہونا تھا۔ کہ اُسے تمثیل کرنے کی تیاری شروع ہو گئی۔ اور واجد علی شاہ اور اُن کے ہم جلیسوں نے اُسے بڑی دھوم دھام اور ساز و سامان سے سٹیج کیا۔ (ملاحظہ ہو سرسوتی اینول بابت سنہ ۱۹۲۱ء) رنگیلے پیا، جانِ عالم کے دیگر کوائفِ حیات پر نظر ڈالیں۔ تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کہ آپ نے کیوں اندرسبھا میں پارٹ نہ کیا ہو۔ وہ راہس منڈل کے رسیا تھے۔ اور یہ تسلیم ہے

کہ اُس میں وہ مع مصاحبین کے پارٹ کیا کرتے تھے۔ تو پھر اُن کے اندر سبھا میں پارٹ کرنے کے کون امر مانع ہوسکتا تھا؟ سرسوتی ایبول کے فاضل مقالہ نگار فرماتے ہیں۔ کہ واجد علی شاہ اس ڈراما میں اندر کا پارٹ کیا کرتے تھے۔ ہمیں یہ قول درست معلوم ہوتا ہے۔ اور اندر سبھا کے مندرجہ ذیل شعر سے اس کی ضمنی تائید ہوتی ہے

راجہ ہوں میں قوم کا اندر میرا نام۔
بن پریوں کی دید کے مجھے نہیں آرام+

کیونکہ یہ ظاہر ہے۔ کہ واجد علی شاہ کے سامنے کس کا منہ تھا۔ کہ وہ جھوٹوں بھی "راجہ ہوں میں قوم کا ....." کا کلمہ زبان پر لا سکتا۔ کہ اس قسم کی بات کا گوارا کرنا مشرقی بادشاہوں کی فطرت کے خلاف ہے+ شاہ دہلی اور نواب اودھ کے باہمی تعلقات مدنظر رکھیں+ تو ان الفاظ کا واجد علی شاہ کے منہ سے نکلنا اور بھی موزوں ہو جاتا ہے+ شاہانِ دہلی فرماں روایانِ اودھ کو غاصب تصور کرتے تھے۔ اور اس کے برعکس شہر یارانِ لکھنؤ اپنے سلطان ابن سلطان ہونے کے مدعی تھے+ اس لئے یہ شعر واجد علی شاہ کے دلی خیالات کا ترجمان ہے اور اسی کی زبان سے زیب دیتا ہے بے شک اگر ۱۹۲۶ء میں اس ڈراما کے پارٹ تقسیم کئے جاتے۔ تو واجد علی شاہ کو گلفام کا پارٹ تفویض ہوتا+

مصنف | اندر سبھا کے غیر فانی مصنف سید آغا حسن امانت خلف الرشید میر آغا رضوی روضۂ مشہدِ مقدس کے کلید بردار و سید علی رضوی کی اولاد سے تھے۔ تاریخ ولادت ۱۲۳۱ھ ہے۔ سخن گوئی کی بسم اللہ مرثیے سے ہوئی۔ اور میاں دلگیر سے تلمذ حاصل کیا۔ بیس برس کی عمر تھی۔ کہ طاقت گویائی جاتی رہی۔ اور قلم کو نفس ناطقہ بنانا پڑا+ آخر ۱۲۶۰ھ میں پھر تکلم پر قدرت حاصل ہوگئی۔ مگر زبان میں لکنت رہی۔ اصنافِ سخن میں سمجھے اور چلبنال بہت دلبند خاطر تھے۔ اندر سبھا کے علاوہ وہ سوخت امانت۔

دیوان خزائن الفصاحت۔ گلدستۂ امانت اور چند مرثیے آپ سے یادگار ہیں + آپ نے آتش۔ نسیم۔ وزیر۔ صبا کا زمانہ دیکھا تھا۔ اور اس طرح برق۔ رشک۔ بحر۔ سحر۔ اور گویا آپ کے ہمعصر تھے + آپ کا شمار لکھنؤ کے مشاہیر شعرا میں ہے۔ ۲۰ جمادی الاول ۱۲۷۵ھ کو بہ مرض استسقا انتقال کیا اور امام باڑہ آغا باقر واقع لکھنؤ میں دفن ہوئے +

میر امانت کے کلام پر اکثر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ رعایت لفظی وصنائع بدائع کے شغف کی بدولت اُن کا کلام محض لفظوں کا گورکھ دھندا بن کر رہ جاتا ہے + اگر زبان کی ارتقائی حیثیت کو نظرانداز کر کے ماضی کو حال کی نگاہ سے دیکھیں۔ تو یہ اعتراض بجا اور درست ہے۔ ورنہ اس میں امانت کی تخصیص نہیں + اُس زمانے کے تمام شعرا الا ماشاء اللہ اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے + اس لئے اس بات کی تحقیق لازم ہے۔ کہ اُس عہد میں یہ رنگ طبائع پر کیسے مستولی ہوگیا؟ اس وقت ہم معاشرتی اور تمدنی پہلو کو نظرانداز کر کے صرف اتنا کہنے پر قناعت کرتے ہیں۔ کہ اگر عہد زیر بحث کے شعرا رعایت لفظی کی طرف توجہ نہ کرتے۔ تو شاید اُن کی شاعری بھی ارتقائے زبان کے متناقض ہو کر خلاف فطرت ہو جاتی + پانچویں دور کے شعرا۔ الفاظ۔ تراکیب۔ محاورات اور اصطلاحات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع کر گئے تھے۔ جو ابھی ایک محدود حلقے ہی میں رائج تھا + اس لئے ان چھٹے دَور کے شعرا کا فرض اولیں یہ تھا۔ کہ ایسے وسائل اختیار کرتے۔ جن سے یہ الفاظ وغیرہ لوگوں کی زبان پر چڑھ کر روزمرہ میں داخل ہو جاتے + اُس وقت نثریہ کتب اخبار و رسائل تقریر کی گرم بازاری اور تھیٹر معدوم تھے۔ اس لئے ترویج الفاظ کا واحد ذریعہ شاعری تھی + پس شعرا کو یہی کرنا تھا کہ اُنھیں مختلف اسالیب سے اشعار میں باندھتے چلے جائیں۔ اور اسی طرح وہ زبان میں داخل ہو سکیں +۔ انگریزی زبان جب اس

منزل پر پہنچی تھی۔ تو اُس میں بھی رعایت لفظی کا ہی عالم تھا۔ بہرحال اس میں کلام نہیں۔ کہ اپنے ہمعصروں کی نسبت امانت کا دامن اس گناہ سے بہت کم آلودہ نظر آتا ہے۔

اُردو زبان کا پہلا ڈراما اور اولیں ڈراما نگار

جس وقت اندر سبھا عالم وجود میں آئی۔ ہندوستان کی کسی مروجہ زبان میں سدھ ناٹک کا وجود نہ پایا جاتا تھا۔ جس شکل میں ناٹک موجود تھا۔ وہ ایک جسم تھا۔ بے رُوح۔ ایک لاش تھی متعفن۔ اور ایک مدرسہ تھا جہاں کھلے بندوں لچپن کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان حالات میں ناٹک نویسی پر قلم اُٹھانا۔ جب کوئی نقش سامنے نہ ہو۔ کوئی نمونہ موجود نہ ہو۔ رہبر مفقود اور ہادی معدوم ہو۔ بذاتہ ایک ایسا شاندار کارنامہ ہے۔ جسے حیاتِ ابدی کا ضامن کہہ سکتے ہیں۔ چہ جائیکہ وہ ڈراما اندر سبھا کی شان کا حامل ہو۔ جو اپنے محاسنِ معنوی کے اعتبار سے بھی اُردو زبان کی ایک چوٹی کی کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ محققین کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ اندر سبھا اُردو ڈراما کی خشتِ اولیں ہے۔ اور امانت اس قصر کمال کا معمارِ ازل۔ بعض تذکرہ نویس کہتے ہیں کہ نواج (نواز) نامی ایک شخص نے شہنشاہ فرخ سیر کے عہد میں شکنتلا کا ہندوستانی میں ترجمہ کیا تھا۔ مگر یہ کتاب ناپید ہے۔ اور کوئی نہیں بتا سکتا۔ کہ ترجمہ کس نوعیت کا تھا۔ آیا اُردو میں تھا یا ہندی میں ناٹک تھا۔ یا مثنوی۔ یا اَور کچھ۔ بہرکیف نواز کی کاوش جہاں تک ڈراما کا تعلق ہے۔ چنداں قابلِ التفات نہیں۔ رہی "غزالہ و ماہ پیکر" تو یہ نری مثنوی ہے۔ صرف سٹیج کے طریقے سے ادا ہونے پر وہ ڈراما نہیں بن سکتی۔ پس اُردو ڈراما لکھنے کی اولیت کا تاج امانت ہی کے سر رہتا ہے۔

پلاٹ

اس ناٹک کی کتھا یہ ہے۔ کہ راجہ اندر اپنی سبھا کے منعقد ہونے کا حکم دیتا ہے۔ پکھراج پری۔ نیلم پری اور لال پری باری باری آ کر رقص و سرود کا

کمال دکھاتی ہیں۔ آخر سبز پری آتی ہے۔ لیکن راجہ اندر سو جاتے ہیں اور سبھا برخواست ہو جاتی ہے +

اب سبز پری کالے دیو سے کہتی ہے۔ کہ اُس کا دل ہندوستان کے شاہ زادے گلفام پر آگیا ہے۔ وہ جا کر اُسے اُٹھا لائے +

کالا دیو گلفام کو لاتا ہے۔ سبز پری اُسے جگاتی ہے۔ اور اظہار محبت کرتی ہے۔ شہزادہ پہلے تو اُسے بہت جلی کٹی سُناتا ہے۔ پھر اس شرط پر رضامند ہوتا ہے کہ وہ اُسے اندر کے اکھاڑے کی سیر کرائے + یہ بات سُن کر پری کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ جاتے ہیں۔ اور وہ شہزادے کو سمجھاتی ہے۔ کہ یہ جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس خیالِ خام سے باز آئے + بڑے ردو کد کے بعد جب پری راضی نہیں ہوتی۔ تو شہزادہ نسوانی کمزوری سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے۔ اور کہتا ہے

تو کسی دیو کی خدمت میں وہاں جاتی ہے۔
اس لیئے مجھ کو سبھا میں نہیں لے جاتی ہے +

پری کا غرورِ عصمت جوش میں آتا ہے اور وہ بگڑ کر کہتی ہے

بات ہرگز یہ زباں سے نہ نکالو صاحب :
ہوش میں آؤ ذرا مُنہ کو سنبھالو صاحب +
میں پری ہو کے اور ایسے پہ فدا جان کروں۔
ایڑی چوٹی پہ موئے دیو کو قربان کروں +

آخر جب کچھ بن نہیں آتا۔ تو شہزادہ یہ دھمکی دیتا ہے۔ کہ اگر تو مجھے اپنے ہمراہ نہ لے جائے گی۔ تو میں خود اپنا گلا کاٹ کر مر جاؤں گا + پری مجبور ہو کر اُسے اپنے ہمراہ لے جاتی ہے +

اندرا پوری میں پہنچ کر پری شہزادے کو ایک درخت کی آڑ میں چھپا دیتی ہے۔ اور

آپ اندر کی سبھا میں ناچنے گانے لگتی ہے + اتنے میں لال دیو شہزادہ گلفام کو دیکھ پاتا ہے اور راجہ کو جا کر خبر کرتا ہے۔ راجہ پر سارا راز آشکارا ہو جاتا ہے۔ اور وہ گلفام کو ایک اندھے کنوئیں میں قید کرتا ہے۔ سبز پری کے بال و پر نوچ ڈالے جاتے ہیں۔ اور اُسے جلا وطنی کی سزا ملتی ہے +

سبز پری انگ بھبوت مل کر جوگن بن جاتی ہے۔ اور گلفام کی تلاش میں ماری ماری پھرتی ہے + ایک دن اتفاق سے اُس کا گانا کالا دیو سُن پاتا ہے۔ اور جھٹ راجہ کے پاس دوڑا جاتا ہے +

کالا دیو راجہ سے کہتا ہے۔ کہ پرستان میں ایک ایسی جوگن آئی ہے۔ کہ جن اُس کے رقص و سرود پر جان چھڑک رہے ہیں + راجہ کا اشتیاق بے انتہا بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ دیو کو حکم دیتا ہے۔ کہ فوراً جوگن کو سبھا میں حاضر کرے +

کالا دیو جوگن کو یہ خوش خبری سُناتا ہے۔ جوگن کا استغنا اس شاہی دعوت کو خاطر ہی میں نہیں لاتا۔ مگر آخر کار وہ سبھا میں گانے پر رضا ہو جاتی ہے +

راجہ اُس کا گانا سُن کر بہت محظوظ ہوتا ہے۔ اور اُسے اپنے ہاتھ سے گلوری دیتا ہے۔ وہ قبول نہیں کرتی + راجہ اپنے گلے سے ہار اُتار کر دیتا ہے۔ یہ بھی نہیں لیتی + اب راجہ اُسے شال بخشتا ہے۔ وہ اُسے بھی واپس کر دیتی ہے۔ اور راجہ سے کہتی ہے۔ کہ مجھے مُنہ مانگا انعام دیا جائے + راجہ اقرار کرتا ہے۔ پری گلفام کو انعام میں مانگتی ہے۔ اور راجہ اپنے اقرار کے مطابق گلفام کو اس کے حوالے کر دیتا ہے +

سبز پری اور گلفام کی ملاقات ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کی مزاج پُرسی کرتے ہیں۔ سب پریاں آکر مبارکباد گاتی ہیں۔ اور کھیل ختم ہوتا ہے +

دورِ حاضر کے نقاد کو شاید یہ پلاٹ ضعیف اور سپاٹ معلوم ہو۔ مگر امانت کے زمانے میں اسی قسم کے بندھے سادے پلاٹ ہوا کرتے تھے۔ اور سب اُسے بنظرِ استحسان دیکھتے تھے۔ ذرا سُنئے۔ مولنا حسرت موہانی اس قصّے کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔

(اُردوئے معلّٰے مرحوم بابت ماہِ اگست ۱۹۰۳ء) :-

ظاہر میں یہ دیو پری کا ایک بے سروپا قصہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں ایک مرادی افسانہ (ALLEGORY) ہے۔ جس کے ذریعے سے امانت نے پاس شرافت اور حسن و عشق کے نہایت نازک اور اہم معاملات کا فوٹو کھینچ کر دکھایا ہے۔

اس قسم کے مرادی افسانوں کا ممالکِ مشرق میں بہت رواج ہے۔ اُردو میں نظیر اکبر آبادی کا کلیات اس کی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ بھاکا میں ملک محمد جائسی کی کتاب پدماوت اور فارسی میں بُستانِ حکمت اس کی بیّن مثالیں موجود ہیں۔

جس طرح نظیر کا ہنس جس کے متعلق ہنس نامے میں اُنہوں نے لکھا ہے:

آیا تھا کسی شہر سے ایک ہنس بچارا۔
اک پیڑ پہ صحرا کے کیا اُس نے گزارا۔

کوئی معمولی پرندہ نہیں ہے۔ اُسی طرح امانت کا راجہ اندر بھی واقعی دیو پری کا راجہ نہیں ہے۔ بلکہ اُس کے یہاں اندر سے پاسِ شرافت اور پکھراج پری سے عصمت۔ نیلم پری سے حیا۔ لال پری سے خودداری۔ سبز پری سے حُسن۔ کالے دیو سے خواہش۔ گلفام سے عشق۔ اور لال دیو سے غمّازی مراد ہے۔ چونکہ ایک شریف عورت کی خوبیاں۔ مثلاً حُسن و حیا

وخود داری پاس شرافت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اس لئے اندر کو سب پریوں کا سردار قرار دیا + غور کرنے کی بات ہے۔ کہ راجہ اور پریوں کی گفتگو میں کہیں سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کہ ان دونوں میں افسری و ماتحتی و شفقت بزرگانہ و عبودیت خُردانہ کے علاوہ اَور بھی کسی قسم کا تعلق تھا +

سبز پری کے گلفام پر مائل ہونے میں ایک نازک اشارہ اس امر کی جانب ہے۔ کہ ع عشق اول در دلِ معشوق پیدا می شود + دوسری بات یہ دکھائی ہے۔ کہ محبت درجے و مرتبے کی قید سے آزاد ہے۔ بقول جامی

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی۔ ؎

کہ دریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست +

اور کالے دیو کا درمیان میں پڑنا اس امر کا بیان ہے۔ کہ خواہش نفس کے زور سے اکثر حسن بلند پایہ اور عشق کم مایہ کے درمیان پختگیٔ تعلقات کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں + پھر عشق کے لئے رسوائی و ملامت ضروری ہیں۔ چنانچہ لال دیو کی چغلی سے غمازی۔ ولوم و لائم کی جانب اشارہ ہے۔ اور سبز پری کا دربار سے خارج کیا جانا رسوائی محبت کی تصویر ہے + راجہ اندر کے غضب کے یہ معنی ہیں۔ کہ اوّل اوّل شرافت تعلقاتِ صحبت کو گوارا نہیں کرتی۔ اگرچہ یہ تعلقات پاک ہی کیوں نہ ہوں + پاس شرافت کہتا ہے۔ کہ ایک شریف عورت کا کسی سے عشق بڑی بے حمیتی کی بات ہے۔ اور اس لئے وہ حسن و عشق دونوں سے بیزار ہو جاتا ہے + چنانچہ اس مرادی افسانے میں راجہ اندر دونوں سے بے حد ناراض ہوتا ہے۔ اور وہ مبتلائے مصائب فرقت ہو جاتے ہیں +

سبز پری کے جوگن بنانے میں یہ نکتہ ہے۔ کہ مصائبِ ہجر وں رسوائی

سے مل کر حُسن کی بے تابی اور صحرانوردی کے باعث ہو جاتے ہیں + جوگن کی نسبت سے ایک یہ بھی غرض ہے - کہ دردمندی کے ساتھ حُسن کی عفت اور پاکی میں بھی ترقی ہو جاتی ہے + آخر کار آرزوئے معشوق کی مدد سے حُسن کو عشق سے ملنے کی تدبیریں سوجھتی ہیں - اور وہ اپنے استقلال کے اظہار سے پاسِ شرافت کو بھی راضی کر لیتا ہے + اس کا بیان مرادی افسانے میں اس پہلو سے کیا گیا ہے - کہ جوگن کالے دیو کی مدد سے بہزار کوشش پھر راجہ اندر کے سامنے جاتی ہے - اور گا بجا کر سیکڑوں ترکیبوں سے اُسے راضی کر لیتی ہے + راجہ پہلے تو دھوکے سے اُس کو گلفام انعام میں دیدیتا ہے - لیکن جب اُسے حقیقت حال معلوم ہوتی ہے - تو بھی کچھ زیادہ غضبناک نہیں ہوتا - کیونکہ غالباً اُسے سبز پری کے استقلال اور صدق محبت پر رحم آجاتا ہے +

رہا یہ امر کہ سبز پری کی محبت گلفام سے زیادہ معلوم ہوتی ہے - اس کے معنی یہ ہیں - کہ اگر عورت اور مرد دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت پیدا ہو جائے - تو عورت کی جانب سے بمقتضائے نرمئ طبیعت مرد سے زیادہ محبت کا اظہار ہوتا ہے - اور یہ امر واقع ہے + غرض کہ غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے - کہ نازک سے نازک اور لطیف سے لطیف معاملاتِ محبت کو امانت نے کس خوبی کے ساتھ اشاروں ہی اشاروں میں ادا کر دیا ہے +

ممکن ہے کہ بوقتِ تصنیف یہ نزاکتیں خود امانت کے بھی ذہن میں نہ ہوں اور کوئی وجہ نہیں "ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد" پر محمول کرنے - مگر اس میں کلام نہیں یہ موشگافیاں ایسی ہیں جو خود معلوم نہیں ہوتیں - اور پسپاں ہوئی جاتی ہیں +

شیکسپیر کے کلام میں بھی وہ محاسن پیدا کیے جاتے ہیں۔ جن سے خود اُس کے آگاہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس صورت میں جب مولٰنا اندر سبھا کو اہلِ مغرب کے بہت سے ڈراموں سے بہتر اور شیکسپیر کے بعض ڈراموں سے بھی بوجہ احسن فائق خیال کرتے ہوں۔ تو اُن کا ایسے محاسن پیدا کر دکھانا ناموزوں نہیں معلوم ہوتا۔

چونکہ فارسی اور اُردو میں جُرمِ عشق کا اقبال مرد کی جانب سے ہوتا ہے۔ اس لئے پہلے سبز پری کا گلفام سے اپنی محبّت کا اظہار کرنا انوکھا معلوم ہوتا ہے۔ بھاشا زبان کی شاعری میں پہلے پہل صنفِ نازک ہی کی طرف سے اظہارِ محبّت ہوا کرتا ہے۔ امانت چونکہ اندر دیس کا ایک واقعہ بیان کر رہے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے سبز پری سے اقرارِ محبت کرانے میں بڑے سلیقے سے کام لیا ہے۔

راجہ اندر اور پریاں | بعض حضرات کے عندیہ میں ایک پری اور انسان کی محبّت اغلبیت سے بعید اور مُسلّمہ اصول فن کے متبائن ہے۔ کیونکہ پری آتشی اور انسان خاکی مخلوق ہے۔ اور اُن کا آپس میں کوئی میل نہیں۔ علاوہ بریں کوہِ قاف کی پریوں اور دیوؤں کو اندر کی سبھا میں لا کھڑا کرنا بھی بے معنی ہے۔ بھلا اندر کی سبھا کو پریوں سے کیا کام؟ بظاہر یہ اعتراض بے جا نہیں معلوم ہوتے۔ مگر تحقیق کی عینک سے دیکھو۔ تو کچھ اور ہی نظر آتا ہے۔ کالی داس سنسکرت کے ایک مسلّم الثبوت ڈرامانگار ہوئے ہیں۔ انہوں نے شکنتلا اور وکرم اروسی نامی اپنے دو ڈراموں میں انسان اور اپسرا کی محبّت پر مُہرِ جواز ثبت کی ہو۔ تو پھر امانت کا سبز پری اور گلفام میں رشتۂ محبّت قائم کرنا کیونکر فن کے متبائن ہو سکتا ہے؟ کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ پُرانے زمانے کی باتیں ہیں۔

آج کل کی تہذیب ان بے معنی باتوں کی روادار نہیں۔ لیکن اس کا کیا جواب کہ سر ولیم شونک گلبرٹ (المتوفی ۱۹۱۱ء) عہد حاضرہ میں پری اینڈ پیئر کے نام سے ایک ڈراما لکھتے ہیں۔ اور سارا انگلستان ہدیۂ تحسین پیش کرتا ہے۔ اس ڈراما میں ایک لارڈ اور ایک پری کی محبت کا قصہ ہے۔ قرائن سے پایا جاتا ہے۔ کہ امانت مرحوم بھی اس اعتراض سے بے خبر نہ تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ ایک اَن ہونی بات کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ؎

جس کا سایہ نہ کبھی خواب میں دیکھا ہوگا
آدمی زادوں میں وہ آج پری آتی ہے

قطع نظر ان سب باتوں کے فنٹسی ڈراما میں جنوں اور پریوں کا انسانوں کے ساتھ مل کر کام کرنا لوازمات میں داخل ہے۔ موجودہ زمانے میں ڈراما کی جو اقسام مقرر کی گئی ہیں۔ اُن کے اعتبار سے اندر سبھا فنٹسی یا زیادہ وضاحت سے کام لیں۔ تو میوزیکل فنٹسی ہے۔ اور اس میں دیوؤں اور پریوں کا آنا جائز ہی نہیں بلکہ لازم ہے۔ رہا یہ امر کہ کوہِ قاف کی پریوں اور دیوؤں کو اندر سبھا میں درخور حاصل کس طرح ہوا۔ تو یہ تاہم فقط ترجمہ کی بدولت ہو رہا ہے۔ ورنہ اس کوہِ قاف سے جو ایشائے کوچک میں واقع ہے۔ کوئی پری یا دیو سنگلدیپ یا اندراسن میں نہیں آیا۔ امانت نے "السپرا" کا ترجمہ پری اور "گندھرب" کا "دیو"۔ "اندراسن" کا "پرستان" اور "راج کمار" کا "شہزادہ" کیا ہے۔ سوال تو صرف اس ترجمے کی موزونیت پر ہو سکتا ہے۔ اس بارے میں یہ عرض ہے۔ کہ مثنوی گلزارِ نسیم جو اندر سبھا سے قریباً سولہ برس پیشتر لکھی گئی۔ اس میں بھی "السپرا" کا ترجمہ پری کیا گیا ہے۔ مثلاً ؎

بابری باری ہے جو پری ہے۔

راجہ اندر کی مجرائی ہے +

اور — ے

جاگی تو سب اُس کے جوڑ کی تھیں۔
اندر کے اکھاڑے کی پری تھیں +

نیز اس مثنوی میں بھی ایک پری اور انسان کے عشق کا قصہ بیان کیا گیا ہے + یہ ترجمہ کس قدر مقبول ہوُا۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے۔ کہ مولوی محمد عزیز مرزا مرحوم نے وکرم اروسی کے ترجمے میں پری کو اُپسرا کا مترادف قرار دیا ہے + اس پر بس نہیں۔ بلکہ مداری لال اپنی اندر سبھا میں اس قسم کے ترجمے میں امانت سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ گئے ہیں اور اُنہوں نے اندر کا ترجمہ شاہ جنات کیا ہے +

ان کاوشوں کا یہ مقصد معلوم ہوتا ہے۔ کہ امانت اور اُن کے ہمعصر مداری لال یہ چاہتے تھے۔ کہ ہندو مسلم ذہنیت کی مغائرت دُور کرنے کے لئے ایک ایسا سنگم تیار کریں۔ جہاں دونوں کے دل و دماغ ہم بغل ہو جائیں۔ ایک ہی ڈراما میں دونوں قوموں کے تفنن طبع کا سامان پیدا ہو جائے۔ اور کسی کے تکدر خاطر کا امکان باقی نہ رہے + آج کل دھارمک اور اسلامی ڈراموں کی قابلِ اعتراض روش پر نظر ڈالو۔ اور ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ کی داد دو + انہوں نے صرف ان ترجموں ہی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ نفسِ ڈراما میں یگانگت اور رواداری آفریں باتیں ڈال دیں + امانت اندر سبھا میں کہتے ہیں ے

اُستاد کھو ہر سے ہر دم دُنیا میں رہیں ہجرت اکھتر +
(حضرت اختر)

ایک اَور مقام پر ؎

فقیروں کو دولت کی پروا نہیں -
یہاں ہر کے افضال سے کیا نہیں +

ایک اَور جگہ ؎

ہر کا پتہ اُستاد لگا دے -
بوری سی پھرتی ہوں جدھر تدھر +

اسی طرح مداری لال کے یہ اشعار دیکھئے ؎

وہ مدد کیونکر کریں نہ آکے وقتِ امتحاں -
ہے مداری لال بھی تو اک غلامانِ علی +

صدقے سے پنجتن کے رہے خوش مداری لال -
یہ ہے دعا جنابِ رسالت مآب سے +

دُنیا میں دوست شاد رہیں لے مداری لال -
طالب ہیں روز و شب ہوں یہی بُو تراب سے +

امانت اور اُستاد — اس ڈراما میں میر آغا حسن نے امانت اور اُستاد دو تخلّص جابجا استعمال کئے ہیں + ہمیں شک ہوا کہ ممکن ہے یہ ڈراما امانت اور اُستاد دو مختلف شاعروں کی معیتِ کار کا ثمر ہو + مگر مندرجۂ ذیل شعر نے اس شک کو رفع کر دیا + ؎

ہیں قیامت بُتِ بے شرم و حیا کی باتیں -
کبھی کہتا ہے امانت کبھی اُستاد مجھے +

معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ غزل میں امانت تخلص کرتے تھے۔ اور ماورائے غزل دیگر لوازمات ناٹک مثل چھند۔ ٹھمری وغیرہ میں اُستاد۔ جیسا کہ بعض ریختہ گو شعرا فارسی کے لئے جُداگانہ تخلص تجویز کرتے ہیں۔ مثلاً نواب ضیاءالدین احمد نیّر و درخشاں۔ مولوی غلام مرتضےٰ بیان و یزدانی۔ نواب مصطفےٰ خاں حسرتی و شیفتہ۔

ادبی نظر سے | مولٰنا حسرت موہانی فرماتے ہیں۔ "زبان و بیان کی خوبیوں کے علاوہ موسیقی کے لحاظ سے بھی امانت نے اندر سبھا کو دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ ہولی۔ ٹھمری۔ بسنت۔ ملار۔ ساون۔ غزل۔ چوبولا ہر قسم کی چیزیں لکھی ہیں۔ اور ایسی لکھی ہیں۔ جو مختلف دُھنوں میں گائی جاتی ہیں نے ایک اُستاد سے سُنا ہے۔ کہ اندر سبھا کے گانوں میں ایک بڑا حصّہ تمام راگ اور راگنیوں کا آجاتا ہے۔ زبان اور بیان کے لحاظ سے دیکھئے تو بھی اندر سبھا امانت کی سب تصانیف میں سب سے زیادہ ممتاز پائی جائے گی۔ اس میں جابجا درد نہیں تو زور ضرور ہے۔ اور زبان بھی بیشتر رعایتوں کی قید سے آزاد ہے"۔

مولٰنا بجا فرماتے ہیں۔ کہ اندر سبھا کا بیشتر حصّہ رعایتوں کی قید سے آزاد ہے۔ کم و بیش ۹۴۵ اشعار میں زیادہ سے زیادہ بیس پچیس ایسے اشعار کا نکل آنا چنداں اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن ان اشعار میں بھی تناسب لفظی کا لحاظ اس خوبی سے رکھا گیا ہے۔ کہ ایک گونہ لطف آہی جاتا ہے اور طبیعت پر گراں نہیں گزرتا۔

اندر سبھا کے مندرجہ ذیل اشعار ایسے زبان زد ہوئے ہیں۔ کہ انھیں ضرب المثل کی منزلت حاصل ہوگئی ہے

(۱) میں چاہتا ہوں صنعتِ خالق پہ ہُوں نثار۔
بُت کو بٹھا کے سامنے یادِ خدا کروں +

(۲) بلبلو کس کو دکھاتی ہو عروج پرواز۔
ہم کبھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی +

(۳) بھولا ہوں میں عالم کو سرشار اسے کہتے ہیں۔
مستی سے نہیں غافل ہشیار اسے کہتے ہیں +

(۴) خدا کے غضب سے ذرا دل میں کانپ۔
چغلخور کے مُنہ کو ڈستے ہیں سانپ +

(۵) بُرا وہ مرا دینے والا ہوُا۔
خوشامد سے مُنہ تیرا کالا ہوُا +

ایسے اشعار اندر سبھا میں کثرت سے ملیں گے۔ جن میں الفاظ کی شوکت بندش کی چستی۔ طبیعت کا زور۔ استعاروں کی نزاکت۔ تشبیہوں کی پختگی اور تخئیل کی بلند پروازی بیش از بیش ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ امانت صرف تناسب لفظی ہی کے بادشاہ نہ تھے۔ بلکہ اُن کا شمار تلامیذ الرحمٰن میں ہونا چاہیے۔ اندر سبھا میں بعض غزلوں کے لئے نئی زمین پیدا کی ہے۔ دو ایک غزلیں ازحد سنگلاخ زمین میں لکھی ہیں۔ اور کئی بولتے ہوئے شعر نکالے ہیں + ایک مقطع میں تخلص اس خوبی سے نبھایا ہے۔ کہ مومن کی شان پیدا ہوگئی ہے + زبان کے لحاظ سے امانت بہت بلند ہیں۔ ان کے ہمعصروں کے کلام کو دیکھو۔ پھر اندر سبھا کو پڑھو۔ تو امانت کی زبان میں نمایاں ترقی نظر آئے گی + گلزار نسیم ۱۲۴۹ھ میں لکھی گئی۔ اور اندر سبھا ۱۲۶۹ھ میں مرتب ہوئی۔ لیکر دونوں کی زبان میں زمین و آسمان کا فرق ہے + گلزار میں متروک اور غلط الفاظ

ژولیدہ تراکیب۔ باسی محاورات۔ اسلوبِ بیان کے اُلجھاؤ کے نمونے پائے جاتے ہیں + لیکن اندر سبھا کی زبان ایسی سُلجھی ہوئی ہے۔ کہ قطع نظر دو ایک الفاظ کے جو حال میں ترک کیے گئے ہیں۔ اُس کے مطالعے سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی موجودہ زمانے کا لکھنوی دادِ فصاحت دے رہا ہے + محاورات بھی ایسے ملیں گے جو آج تک بولے جاتے ہیں۔ اور جن کے مدتوں زندہ رہنے کی توقع ہے +

حسنِ قبول کچھ عرصے تک تو یہ شاہ پسند ڈراما قیصر باغ کی چار دیواری میں بند رہا اور صرف خواص ہی اس سے بہرہ اندوز ہوتے رہے۔ لیکن امانت کی آنکھوں کے سامنے ہی یہ لکھنؤ میں ایسا مقبول ہو چکا تھا۔ کہ لوگ اسے حفظ کرتے تھے۔ نقلیں اُتارتے تھے۔ اور اربابِ نشاط محفلوں میں گاتی پھرتی تھیں + اس کے بعد پارسی تھیٹریکل کمپنیاں اسے لے اُڑیں اور ہندوستان کا شاید ہی کوئی شہر ہوگا۔ جہاں یہ کامیابی سے سٹیج نہ ہوا ہو + یہ سدابہار ناٹک ہنوز کھیلا جاتا ہے۔ اور اچھی کمپنی کے ڈراموں کی فہرست میں شامل ہے۔ اس کے فانی ہونے کے اب تک کوئی آثار پائے نہیں جاتے۔ اور لاریب یہ اُردو زبان کی کلاسکس میں داخل ہونے کا سزاوار ہے +

جموں
۲۱۔ اگست ۱۹۲۶ء

نور الٰہی
و
محمد عمر

ارکانِ ڈراما

راجہ اندر ...... عیش وکامرانی کا دیوتا۔ جملہ دیوتاؤں کا راجہ۔

پکھراج پری }
نیلم پری } اندر کے اکھاڑے کی پریاں (اپسرائیں)
لال پری }

سبز پری ..... اندر کے اکھاڑے کی پری اور ہیروئن +

گلفام ...... ہندوستان کا شہزادہ (راجکمار) ہیرو +

کالا دیو }
لال دیو } خدامِ اندراسن (گندھرو)
اور چند دیگر دیو }

مقام ...... سنگلدیپ۔ اندراسن۔
اندردیس۔ امرنگر۔

اندر سبھا

ایکٹ اوّل

سین اوّل

(درباری جمع ہیں پردہ اُٹھتے ہی وہ اندر کی آمد گاتے ہیں)

درباری

ٹھمری جھنجھوٹی ـ تال پشتو

سبھا میں دوستو اندر کی آمد آمد ہے۔ پری جمالوں کے افسر کی آمد آمد ہے۔
خوشی سے چہچہے لازم ہیں صورتِ بلبل۔ اب اس چمن میں گُلِ تر کی آمد آمد ہے۔
فروغِ حُسن سے آنکھوں کو اب کرو روشن۔ زمیں پہ مہرِ منوّر کی آمد آمد ہے۔
دو زانو بیٹھو قرینے کے ساتھ محفل میں۔ پری کے دیو کے لشکر کی آمد آمد ہے۔
زمیں پہ آئیں گی راجہ کے ساتھ سب پریاں۔ ستاروں کی مہِ انور کی آمد آمد ہے۔
غضب کا گانا ہے اور ناچ ہے قیامت کا۔ بہارِ فتنۂ محشر کی آمد آمد ہے۔
بیاں میں راجہ کی آمد کا کیا کروں اُستاد۔
جگر کے جان کے دلبر کی آمد آمد ہے۔

(اندر کا بادل کے جھلے سے اُتر کر تخت پر جلوس فرمانا اور دیوؤں کو پریوں کے لانے کا حکم دینا)

اندر

چوبولہ

راجہ ہوں میں قوم کا اور اندر میرا نام ۔ بن پریوں کی دید کے نہیں مجھے آرام +
سُنو رے میرے دیو رے دل کو نہیں قرار ۔ جلدی میرے واسطے سبھا کرو تیار +
تخت بچھاؤ جگمگا جلدی سے اس آن ۔ مجھ کو اُس پر بیٹھنا محفل کے درمیان +
میرا سنگلدیپ میں ملکوں ملکوں راج ۔ جی میرا ہے چاہتا کہ جلسہ دیکھوں آج +
لاؤ پریوں کو میری جلدی جاکر ہاں ۔ باری باری آن کر مجرا کریں یہاں +

درباری

(پکھراج پری کی آمد گاتے ہیں)

محفلِ راجہ میں پکھراج پری آتی ہے ۔ سارے معشوقوں کی سرتاج پری آتی ہے +
جس کا سایہ نہ کبھی خواب میں دیکھا ہو گا ۔ آدمی زادوں میں وہ آج پری آتی ہے +
دولتِ حسن سے ہو جائے گا عالم معمور ۔ کرنے اُس بزم میں اب راج پری آتی ہے +
زرد ہو رنگ حسینوں کا نہ کیونکر اُستاد ۔ غُل ہے محفل میں کہ پکھراج پری آتی ہے +

(پکھراج پری کا آنا اور در و دیوار کا بسنتی ہو جانا)

پکھراج پری

(اپنے حسب حال شعر خوانی کرتی ہے)

گاتی ہوں میں اور ناچ سدا کام ہے میرا ۔ آفاق میں پکھراج پری نام ہے میرا +
پھندے سے مرے کوئی نکلنے نہیں پاتا ۔ اس گلشنِ عالم میں بچھا دام ہے میرا +
میں لاکھ کی دو لاکھ کی پروا نہیں رکھتی ۔ قاروں کا خزانہ اجی انعام ہے میرا +
کہتے ہیں جہاں میں جسے انساں گل و سنبل ۔ وہ رُخ ہے وہ گیسوئے سیہ فام ہے میرا +
بدمست مجھے دیکھ کر ہوتی ہے خدائی ۔ معمور مئے حُسن سے کیا جام ہے میرا +
کرتی ہوں دل و جاں سے میں راجہ کی پرستش ۔ کہتے ہیں جسے کفر وہ اسلام ہے میرا +

اللہ نے بخشا ہے مجھے رُتبۂ عالی۔ گردوں جسے سب کہتے ہیں وہ بام ہے میرا+
انساں کا شرارت سے مری بس نہ ہیں چلتا۔ دل لے کے مُکر جانا سدا کام ہے میرا+
اُستاد کو دیتی ہوں دعائیں دل وجاں سے یہ کام جہاں میں سحر و شام ہے میرا+

چھند

راجہ اندر دیس میں رہیں الٰہی شاد۔
جو مجھ سی ناچیز کو کیا سبھا میں یاد+
کیا سبھا میں یاد مجھے راجہ نے آج۔ دولت مال خزانہ کی کب ہوں محتاج+
ہیرا اپنا چاہیے تخت نہ مجھ کو تاج۔ جگ میں باشٹ اُستاد کی بنی رہے مہراج+

ٹھمری

آئی ہوں سبھا میں چھانڈ کے گھر۔ کاہو کی نہیں ہے آج کھبر+
چیری تری راجہ اندر۔ رکھنا دن رین دیا کی نجر+
سونے کا براجے سیس مکٹ۔ رُوپے کے تھت پر بیٹھ نڈر+
چاروں کونوں پر لعل ملیں۔ دیوتا کا کرم رہے آٹھ پہر+
سایہ رہے پیر پیمبر کا۔ مولا کی سدا رہے نیک نجر+
اُستاد یہ کہہ ہر سے ہر دم۔ دُنیا میں رہیں حجرت اکھتر+

بسنت دُھن ملار

رُت آئی بسنت عجب بہار۔ کھلے جرد پھول بزون کی ڈار+
رُت آئی
چنکو کسم پھولنے۔ لاگی سرسوں۔ پھپکت چلت گہون کی بار+
رُت آئی
ہر کے۔ دُوار مالی کا چھورا۔ گڑوا ڈارت گیندن کے ہار+
رُت آئی
ٹیسوا پھولے انبوا مورانے۔ چمپا کی رو کھ کلین کی بار+

رُت آئی

گڑوا لئے اُستاد کے دوارے۔ — چلو سب سکھین کر کر سنگار۔

رُت آئی بسنت عجب بہار

غزل بسنت

ہیں جلوۂ تن سے در و دیوار بسنتی۔ — پوشاک جو پہنے ہے مرا یار بسنتی
کیا فصلِ بہاری نے شگوفے ہیں کھلائے۔ — معشوق ہیں پھرتے سرِ بازار بسنتی
گیندا ہے کھلا باغ میں میدان میں سرسوں۔ — صحرا وہ بسنتی ہے یہ گلزار بسنتی
مخمل کا نئی رُت میں دلا زرد نہیں میاں۔ — پہنے ہے قبا یار کی تلوار بسنتی
ہوں غم سے یہ میں زرد جو تو قتل کرے گا۔ — خوں نکلے گا اے قاتلِ خونخوار بسنتی
غم کھا کے موا ہوں میں کسی زرد قبا پر۔ — ہے قبر کی چادر مجھے درکار بسنتی
گیندوں کے درختوں میں نمایاں نہیں گیندے۔ — ہر شاخ کے سر پہ ہے یہ دستار بسنتی
مُنہ زرد دوپٹے کے نہ آنچل سے چھپاؤ۔ — ہو جائے نہ رنگِ گلِ رخسار بسنتی
رُت پھر گئی عالم میں چلی بادِ بہاری۔ — میخانے کو جاتے ہیں میخوار بسنتی
خوں ایک تو تھا تیرا کیا زرد قبا نے — طرّہ ہوئی اُس پر تری دستار بسنتی
ہے لطف حسینوں کی دو رنگی کا امانت۔ — دو چار گلابی ہوں تو دو چار بسنتی

ہولی

پا لاگی کر جوری۔ — شیام موسے کھیلو نہ ہوری
گو تن چرا ون میں نکسی ہوں۔ — ساس نند کی چوری
سگری چنر رنگ میں نہ بھجوؤ۔ — اتنی سنو بات موری

شیام موسے کھیلو نہ ہوری

چھین جھپٹ موسے ہاتھ سے گاگر۔ — جور کہا ہے بیّاں مروری
دل دھڑکت ہے سانس چڑھت ہے۔ — دیکھ کنیت گوری گوری

شیام موسے کھیلو نہ ہوری

عبیر گلال لپیٹ گیو مکھ پر۔ ساری رنگ میں بوری +
ساس ہجارن گاری دے گی۔ بالم جیتا نہ چھوڑتی +
شیام موسے کھیلو نہ ہوری +
بھاگ کھیل کے تم نے رے موہن۔ کا گت کینہی موری +
سکھین ہیں استاد کے آگے۔ ہوئی ہوں تھوری تھوری +
شیام موسے کھیلو نہ ہوری +

غزل

بیداد تجھے یاد ہے واللہ تمہاری۔ یوسف کی قسم اب نہ کروں چاہ تمہاری +
للہ قدم شرم کے کوچے سے نکالو۔ بازار میں ہم دیکھتے ہیں راہ تمہاری +
عاشق کی مراد آئے رقیبوں کو الم ہو۔ جائے جو سواری کبھی درگاہ تمہاری +
وہ بت مرے پاس آئے گا کس طرح یقیں ہو۔ جھوٹی ہے قسم دوستو واللہ تمہاری +
ہوتا ہے زمیں پر اسے خورشید کا دھوکا۔ صورت جو کبھی دیکھتا ہے ماہ تمہاری +
بت بن گئے محفل میں رقیبوں سے نہ بولے۔ کیا بات ہے خالق کی قسم واہ تمہاری +
لہرا کے کبھی جاتے ہیں دریا کبھی تالاب۔ کیا ہم کو جھنکاتی ہے کنوئیں چاہ تمہاری +
ہے عشق کا دریا بسر جوشش امانت۔ عالم میں رکھے آبرو اللہ تمہاری +

غزل

ٹکرا کے سر کو جان نہ دوں میں تو کیا کروں؟ کب تک فراقِ یار کے صدمے سہا کروں؟
اندھیر ہے لگاؤں جو اس شمع رو سے لو۔ پروانہ غیر پر وہ رہے میں جلا کروں +
جی چاہتا ہے صنعتِ صانع پہ ہوں نثار۔ بت کو بٹھا کے سامنے یادِ خدا کروں +
ہر چند چاہتا ہوں کہ بولوں نہ یار سے۔ قابو میں اپنے دل کو نہ پاؤں تو کیا کروں؟
اے بت ترے سوا نہیں کونین کی ہوس۔ اللہ سے کروں تو تری التجا کروں +
ایسے مرے نہ اٹھنے دیں آزار عشق میں۔ آئیں مسیح بھی تو نہ اپنی دوا کروں +
کوچے میں اس کے بیٹھ کے جی ہے یہ چاہتا۔ اوقات یاں بسر صفتِ نقشِ پا کروں +

بے عشق کچھ جہاں میں نہیں زیست کا مزا۔ دل یار کو نہ دوں میں امانت تو کیا کروں؟

غزل

رفتار کے چلن سے غضب دل لبھایئے۔ چھوٹے سے سن میں یار بڑے تم ہو چاہیئے۔
در گزرا ہیں ملاپ سے ہٹیئے کہاں کا پیا۔ پھیلا کے پاؤں ہاتھ گلے میں نہ ڈالیئے۔
نظّارہ روئے صاف کا منظور ہے ہمیں۔ دکھلا کے زلف کو نہ بلا سر کی ٹالیئے۔
عاشق کو زہر غیر کو مصری کی ہو ڈلی اس طرح کی نہ بات زباں سے نکالیئے۔
خوش چشم سب جہاں کے امانت ہیں بے وفا جی چاہتا ہے آنکھ کسی پر نہ ڈالیئے۔

اندر

خوب رچھایا ناچ کے گا کے۔ پاس مرے اب بیٹھ تو آ کے۔
خوش ہوئی تجھ سے محفل ساری۔ اب ہے نیلم پری کی باری۔

لاؤ نیلم پری کو

درباری

(نیلم پری کی آمد گاتے ہیں)

سُنو بھائیں آمدِ نیلم پری ہے۔ سراپا وہ نزاکت سے بھری ہے۔
ستاروں کی جھپک جاتی ہیں آنکھیں۔ وہ اُس کے بر میں ملبوسِ زری ہے۔
غضب گانا ہے اور اُس کا چمکنا۔ کبھی زہرہ کبھی وہ مشتری ہے۔
خجالت سے نہ کیوں نیلی ہو سوسن۔ کہ نافرماں سے اُس کو ہمسری ہے۔
نہ دیکھا ہوگا ناچ ایسا کسی نے بلا ہے سحر ہے جادوگری ہے۔
تمام اُس کے ہیں اعضا شعلۂ نور۔ شرارت کوٹ کر اُس میں بھری ہے۔
زمیں پر وہ پری آتی ہے اُستاد۔ جواہر سے جو رنگت میں کھری ہے۔

(نیلم پری کا آنا اور بزم کا نیلگوں ہو جانا)

نیلم پری

حوروں کے ہوش اُڑتے ہیں اُڑنے کی شان پر۔ نیلم پری ہے نام مرا آسمان پر

اللہ کے کرم سے زمانے میں ہے عروج۔ جھکتا ہے سر فلک کا مرے آستان پر +
انساں کی کیا ہے اصل کہ پُتلا ہے خاک کا۔ جِن کھیل جاتے ہیں مری اُلفت میں جان پر +
نیلم کو چوم چاٹ کے آنکھوں پہ رکھتے ہیں۔ شہرہ ہے میرا جوہریوں کی دُکان پر +
اُڑتے نہیں ہیں میری نزاکت پہ کس کے ہوش۔ رکھتے ہیں پھول ہاتھ گلستاں میں کان پر +
کرتا نہیں ہے کون محبت کا حق ادا۔ دیتے ہیں جان دیو مری آن بان پر +
مستی کی طرح باغ میں جمتا ہے اُس کا رنگ۔ سوسن جو ذکر لاتی ہے میرا زبان پر +
زہرہ مرے خیال میں دھنتی ہے سر سدا۔ مرتے ہیں تان سین ترانے کی تان پر +
اُستاد نے زمیں پہ بُلا کر دیا ہے نام۔ کیونکر رہے نہ میرا دماغ آسمان پر +

چھند

ہیں پیری سرکار کی اور تم راجوں کے راج۔ گانا مجھ معشوق کا سنو غور سے آج +
سنو غور سے آج مرا راجہ جی گانا۔ ناچ کی چھل بل دیکھ کر دیکھو بتلانا +
ہوا ہے میرا تب اس محفل میں آنا۔ جب ہے سارا دیس بدیس اُستاد نے چھانا +

ایضاً

آئی ہوں میں دور سے چیزیں کر کے یاد۔ مجرا میرا دیکھ کر کرو مرا دل شاد +
کرو مرا دل شاد کہ میں جی کھول کے گاؤں۔ گا کے ناچ کے آج ہنر اپنا دکھلاؤں +
ہنر دکھا کر محفل میں داد اپنی پاؤں۔ داد اپنی یاں پا کر گھر اُستاد کے جاؤں +

ٹھمری

دھن کھماج

راجہ جی کرو موسے بتیاں رے۔ دل ترپت دن رتیاں رے +
ہمری اُور سے تم سے دن دن۔ سوتن جا کے لگتیاں رے +
بیرا ڈر بنت ٹھمری ر[illegible]بن سے۔ دھرکت ہیں موری چھتیاں رے +
درس اُستاد کا چاہے [illegible] کھٹکا۔ [illegible] کے پیچھا ویو پتیاں رے +

ہولی

کانہا کو سمجھات نہ کوئی۔ انگیا رنگ میں بھجوئی +
موری برج میں پت کھوئی +
آج سکھی ہم گھر ما جاکے۔ پیت کی جان کو روئی +
عبیر گلال چھڑاون کھاطر منہ آنسوؤں سے دھوئی +
بدن ماٹی میں ملوئی +
گروا لگایو گراسئے کے مہکا۔ منہ پکرا جب روئی +
اجمت لینی گاری دینی۔ ہم ہوں جان کو کھوئی +
سکھی بس کاہی کے سوئی +
بیٹھ بیٹھ کے برج کے لوگن میں۔ کبری کا بس بوئی +
یا جو کبر استاد نے پائی۔ گھر ہم ہاتھ سے کھوئی +
نکس کر جوگن ہوئی +

غزل

عشق کا خنجر لگا ہے دل پہ کاری ان دنوں۔ زخم کی صورت ہے خون آنکھوں سے جاری ان دنوں
باغ میں جاتی ہے اُس گل کی سواری ان دنوں۔ دم چُراتے پھرتی ہے بادِ بہاری ان دنوں +
دے کے قسمیں کوچۂ قاتل میں لے جاتا ہے دل۔ دشمن اپنا کر رہا ہے دوستداری ان دنوں +
بھولی بھولی شکل پر دل تڑپا جاتا ہے صنم۔ کیا ہی صورت ہوگئی ہے پیاری پیاری ان دنوں +
عشق کے آزار نے لاغر کیا ہے اس قدر۔ شکل پہچانی نہیں جاتی ہماری ان دنوں +
قتل کرتا ہے عرق آلودہ ابرو خلق کو۔ کیا تری تلوار پر ہے آبداری ان دنوں +
سر اُٹھایا ہے جنوں نے عشق زلفِ یار میں۔ پاؤں کو درکار ہے زنجیر بھاری ان دنوں +
پلکیں جھپکانے کا قاتل کو ہوا ہے تازہ شوق۔ چل رہی ہے دل پہ عاشق کے کٹاری ان دنوں +
ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہو ہر دم امانت کس لئے۔
جان جاتی ہے کہو کس پر تمہاری ان دنوں؟

غزل

دل مرا سیر چمن سے نہ ہوا شاد کبھی ۔ لے گیا باغ میں بھولے سے نہ صیاد کبھی +

زندہ جب تک ہیں ہم اے جان جفائیں کر لو ۔ یوں سہے گا نہ تمہاری کوئی بیداد کبھی +

توڑتا بیڑیاں دوہری نہ اگر وحشت میں ۔ مانتا کاہے کو لوہا مرا حداد کبھی +

سر جھکا جاتا ہے اُٹھتے نہیں مقتل سے قدم ۔ ہاتھ مجھ پر بھی کوئی چھوڑ دے جلاد کبھی +

ستم ایجاد تجھے ہم نے بنایا جانی ۔ اس طرح دل سے ستم ہوتے تھے ایجاد کبھی +

تم وہ خوش قد ہو روش پر جو ذرا تن کے چلو ۔ سر اُٹھائے نہ چمن میں کوئی شمشاد کبھی +

لیلیٰ زُلف کا سودا لبِ شیریں کی ہے چاہ ۔ کبھی مجنوں ہوں ترے عشق میں فرہاد کبھی +

ہوگا تب جال میں بلبل کا پھنسنا معلوم ۔ آئے گا موت کے پھندے میں جو صیاد کبھی +

بلبلو کس کو دکھاتی ہو عروجِ پرواز ۔ ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی +

ہیں قیامت بُت بے شرم و حیا کی باتیں ۔ کبھی کہتا ہے امانت مجھے اُستاد کبھی +

غزل

مزا وصالِ صنم کا اُٹھائے گا پھر کیا ۔ ڈرا جو ہجر سے وہ دل لگائے گا پھر کیا +

کسی کی زُلف کی جانب جو کھنچ رہا ہے دل ۔ بلائے تازہ مرے سر پہ لائے گا پھر کیا ؟

گھلائے گا مری ہڈیاں جو تو اے غم ۔ پسِ فنا سگِ یار آکے کھائے گا پھر کیا ؟

الٰہی خیر ہو کیوں جوش پر ہے دیدۂ تر ۔ کسی کے عشق کا طوفاں اُٹھائے گا پھر کیا ؟

الٰہی خیر پھڑکتی ہے آنکھ کیوں بائیں ۔ غضب سے وہ مجھے دیدے دکھائے گا پھر کیا ؟

جفا کو جان غنیمت گلہ ستم کا نہ کر ۔ بگڑ کے یار سے اے دل بنائے گا پھر کیا ؟

دکھایا زیست میں جس نے نہ مُنہ امانت کو ۔ پسِ وصال وہ تربت پر آئے گا پھر کیا +

اندر

دکھا چکی تو کرتب سارے ۔ پہلو میں اب بیٹھ ہمارے +

کیا سبھا میں تیرا نام ۔ اب ہے لال پری کا کام +

لاؤ لال پری کو ۔

درباری

(لال پری کی آمد گاتے ہیں)

سبھا میں لال پری کی سواری آتی ہے۔ جمانے رنگ اب اندر کی پیاری آتی ہے۔
شفق میں آنے لگا جھرمٹ نظر ستاروں کا۔ پہن کے سرخ وہ پوشاک بھاری آتی ہے۔
حسین بزم کے شادی سے کھل پڑیں گے تمام۔ گلوں کے واسطے بادِ بہاری آتی ہے۔
نگاہ اُس کی چھری سے سوا نکیلی ہے۔ لگانے سب کے دلوں پر کٹاری آتی ہے۔
کھلے گا لالے کا تختہ سبھا میں اے یارو۔ نہال ہو کہ مراد اب تمہاری آتی ہے۔
دوپٹہ دیکھ کے بجلی گرے گی بجلی پر۔ کناروں پر وہ لگا کر کناری آتی ہے۔
میں کس زباں سے کہوں اُس کی شوخیاں استادؔ۔ بہارِ تازہ کی محفل میں باری آتی ہے۔

(لال پری آتی ہے محفل سُرخ ہو جاتی ہے)

لال پری

انساں کا کام حسن پہ میرے تمام ہے۔ جوڑا ہے سرخ لال پری میرا نام ہے۔
یاقوت زر خرید ہے سرکار کا مری۔ نوکر عقیق لعل بدخشاں غلام ہے۔
عاشق کو قتل کرتی ہوں ابرو کی تیغ سے۔ دن رات مجھ کو خون بہانے سے کام ہے۔
پوشاک میری سرخ ہے کھڑا ہے چاند سا۔ دیکھو شفق میں رات کو ماہِ تمام ہے۔
شوخی پہ میری ہوتے ہیں مرغِ چمن حلال۔ ہر گل کو زیست باغِ جہاں میں حرام ہے۔
مریخ مجھ سے ہوتا ہے ہر دم جو دو بدو۔ کرتا لہو لگا کے شہیدوں میں نام ہے۔
استادؔ انجمن میں رہیں سرخ رو سدا۔ اللہ سے دعا یہ مری صبح و شام ہے۔

چھند

بیٹھی تھی میں قاف میں جوڑا پہنے لال۔ یہاں بلا کر آپ نے بڑھا دیا اقبال۔
بڑھا دیا اقبال کہ یاں مجھ کو بلوایا۔ سماں سبھا کا آج بہت دن بعد دکھایا۔
روپ سروپ سبھا میرے سب جگ کو بھایا۔
سہے سدا استادؔ یہ یہاں کرتار کا سایا۔

ٹھمری

دُھن دیس

موُرے جوبن میں لعل جڑے۔ بہت کھرے اوبھار اجرے۔
کوُ مونگا کوُ چینی کہت ہے۔ پرکھن والوں پہ گاج پڑے۔
بہت کھرے اوبھار اجرے۔
کوُ مورے لالوں لال جوبن کی استاد سے کھبر کرے۔
بہت کھرے اوبھار اجرے۔

ساون

بن پیا گھٹا نہیں بھاوے۔
رہ رہ ہول رُوندہو آوے۔ بجری کی چمک تڑپاوے ڈراوے۔
بن پیا گھٹا نہیں بھاوے۔

انترہ

رُت برکھا کی آئی رے گیاں۔ آج جیا کو کل نہیں آوے۔
موری اور سے یارن بیجنی۔ کوُ اُس کو سمجھاوے جاوے۔
بن پیا گھٹا نہیں بھاوے۔
کاسے کہوں اس مینہ بوندن ماں لکھ پتیاں جو پٹھاوے۔
پیتم کو کوُ بجری برکھا بیں دئی ماری ہے ملاوے لاوے۔
بن پیا گھٹا نہیں بھاوے۔
اُمنڈ گھمنڈ کے کارمی بدریا موہے ناحک نہ ستاوے۔
کوُ پون پوروائی سے جاکہو اُور ملک برساوے جاوے۔
بن پیا گھٹا نہیں بھاوے۔
بیبت ہوں آنسوان کی بوندن میگا جھر نہ لگاوے۔
بیر ترستان کو بابھے اپنے۔ بن پربت پر جاوے جاوے۔

بن پیا گھٹا نہیں بھاوے۔

غزل

دل کو مرغوب ہے ٹھنڈی جو ہوا ساون کی
مانگتا ہوں میں سدا حق سے دعا ساون کی۔

یاد آتا ہے وہ سبزہ وہ گھٹا ساون کی۔
شکل دکھلائے کہیں جلد خدا ساون کی۔

چڑھ گیا جبکہ فلک پر مری آہوں کا دھواں۔
گر گئی خلق کی نظروں سے گھٹا ساون کی۔

دیکھئے آنکھوں سے کس کس کی برستا ہے لہو۔
یار ہاتھوں میں لگاتا ہے حنا ساون کی۔

زلفِ جاناں کے قریں یوں ہے دوپٹہ اودا۔
شبِ تاریک میں جس طرح گھٹا ساون کی۔

ایک لحظہ نہیں تھمتی ہے جھڑی اشکوں کی۔
لگ گئی کیا مری آنکھوں کو ہوا ساون کی۔

ہجرِ ساقی میں رلاتا ہے ہمیں ابرِ سیاہ۔
غم و اندوہ بڑھاتی ہے گھٹا ساون کی۔

ابر بھاگا ہوا جاتا ہے خدا خیر کرے۔
آج بدلی نظر آتی ہے ہوا ساون کی۔

کیوں دمِ گریہ تصور نہ مجھے زلف کا ہو۔
رات ہوتی ہے سیاہی میں بلا ساون کی۔

موتی کانوں میں نہیں یار کی زلفوں کے قریں۔
جھالے بھادوں کے وہ ہیں اور یہ گھٹا ساون کی۔

اے امانت یہ نکالی ہے زمیں تو نے نئی۔
پہلے تھی کس کی غزل تیرے سوا ساون کی؟

ہولی

لاج رکھو ہے شیام ہماری۔ میں چیری ہوں تہاری۔
جرا دے سمجھ کر گاری۔

انترہ

عبیر گلال نہ مو پر ڈارو۔ نہ مارو پچکاری۔
آدھی دیہہ سب دیکھ پڑے گی۔ ساری بھجو ڈ نہ ساری۔
کہیں گے لوگ متواری۔

تم چاتر ہولی کے کھلیتا ہم ڈر پوک اناڑی۔
تک چھانکن لگا مت موہن۔ جا دُوں تو ہاتھ دلماری۔
نکر موہے جان سے عاری۔

لاکھ کہی تم ایک نہ مانی۔ ہنسی کر کے ہاری،
یا ہو گھری اُلٹا دسے جا کے۔ کہیوں جگیکت ساری،
کہاں جاؤ گے گردھاری۔

غزل

دھن دیس

خیال آتا ہے دل کو شکوۂ بیداد کیا کیجے۔ خدا سے اے بُتِ کافر تری فریاد کیا کیجے،
بہار آئی ہے، گلشن میں گھٹا جاتا ہے دم اپنا۔ قفس کے در کو وا کرتا نہیں صیّاد کیا کیجے،
عبث کرتا ہے تو ہم سے خیالِ یار کا شکوا۔ جو بھولے آپ کو اے دل اُسے پھر یاد کیا کیجے،
مقابل سرو کو پا کر گلستاں میں وہ گُل بولا۔ غلام اپنا جو ہو دل سے اُسے آزاد کیا کیجے،
کسی محبوب کا بوٹا سا قد آنکھوں میں پھرتا ہے۔ چمن میں دیکھ کر اے دل وہ شمشاد کیا کیجے،
جنوں کا جوش لکھوتا ہے، رگوں کو چھو کے نشتر سے۔ نہ تجھ کو گالیاں دیجے تو اے فصّاد کیا کیجے،
لہو بہتا ہے غیروں کا ہمارا دم نکلتا ہے۔ گلے پر پھیرنا خنجر نہیں جلاّد کیا کیجے،
ہماری قبر کو ٹھوکر لگا کر یار کہتا ہے۔ ملا ہو خاک میں جو خود اُسے برباد کیا کیجے،
امانت کوہ پر پہنچا تو یوں فرہاد چلّایا۔ لبوں پر جانِ شیریں ہے اب اے اُستاد کیا کیجے،

غزل

شبِ فرقت میں نالوں نے جہاں سر پر اُٹھایا ہے۔ زمیں کو زلزلہ ہے آسماں چکّر میں آیا ہے،
رُخِ رنگیں کو ہنس کر زلف میں اُس نے چھپایا ہے۔ طپاں ہے ابر میں بجلی چمن میں ابر چھایا ہے،
چھپاؤں منہ ندامت سے لحد میں کیوں نہیں وحشی۔ کفن نے داغ عُریانی کے جامے کو لگایا ہے،
عیاں سیندور کا ٹیکا نہیں محرابِ ابرو میں۔ چراغ اُس شمع رو نے عین کعبہ میں جلایا ہے،
حسابِ آب و دانہ حشر میں ہو گا تو کہہ دوں گا۔ پیا ہے عمر بھر خونِ جگر غم ہی نے کھایا ہے،
شفق پھولی ہے دیکھو شام کو شہرِ بدخشاں میں۔ لبِ رنگیں پہ مسّی مل کے اُس نے پان کھایا ہے،
ہمیں اُس زندگی ہے تلخ اُمیّد کی کڑوی باتوں سے۔ کسی دن زہر کھا لیجے یہی جی میں سمایا ہے،
مری تربت پہ تانا چاندنی میں کیوں ہے نمگیرہ۔ یہ کس نے چاندِ مہتاب میں دھبا لگایا ہے،

نہیں بے وجہ ہیم ہچکیاں آتی ہیں فرقت میں۔ کسی محبوب کو تو اے امانت یاد آیا ہے۔

غزل

ہے فصلِ بہاری میں یہ صیاد کا دھڑکا۔ دل اُڑ گیا بلبل کا جو پتّا کہیں کھڑکا۔
بلبل کے دمِ سرد سے اک اوس پڑی ہے۔ اے بادِ صبا آتشِ گلزار کو بھڑکا۔
بولا وہ دکھا کر خطِ رُخسار و جبیں کو۔ قرآں کی تلاوت کرو ہے نُور کا تڑکا۔
پروانوں کا خوں ہوتا ہے سر پر ترے ناحق۔ اے بادِ صبا شمع کو محفل میں نہ بھڑکا۔
آنکھوں میں ہے پھرتا سحرِ وصل کا عالم۔ ق اندیشہ رقیبوں کا نہ اغیار کا دھڑکا۔
ناحق نہ امانت سے کہیں جلنے لگے وہ۔ اے مدعی جا جا کے تو آتش کو نہ بھڑکا۔

اندر

کاٹی رات مزے میں ساری۔ بیٹھ میرے پہلو اب پیاری۔
بہت لڑائی تونے جان۔ اب ہے سبز پری کا دھیان۔

لاؤ سبز پری کو

درباری

(سبز پری کی آمد گاتے ہیں)

آتی نئے انداز سے اب سبز پری ہے۔ لب سُرخ ہیں پر سبز ہیں پوشاک ہری ہے۔
فیروزہ اُسے دیکھ کے کھاتا ہے ہیرا۔ چہرے میں زمرد سے سوا جلوہ گری ہے۔
جن اُس سے خجالت کے سبب اُڑ نہیں سکتے پریوں کو سدا شرم سے بے بال و پری ہے۔
زیور کی ہے کیا شان چھریرے سے بدن پر۔ اک شاخ ہے نازک کہ شگوفوں سے بھری ہے۔
پہنتا ہے زمرد پہ سدا دھانی دوپٹہ کیا حُسن کے اقبال سے سبزے کو چری ہے۔
آمد کی خبر سُن کے حسینوں میں نہیں دم جو شمع ہے محفل میں چراغِ سحری ہے۔

اُستاد عجب عاشق و معشوق کے ہیں نام۔
شہزادہ وہ گلفام ہے یہ سبز پری ہے۔

سبز پری

(سبز پری آتی ہے)

معمور ہوں شوخی سے شرارت سے بھری ہوں ۔ دھانی مری پوشاک ہے میں سبز پری ہوں ۔
کیا اصل ہے سبزے کی مرے حُسن کے آگے ۔ فیروزے سے خوش رنگ زمرد سے کھری ہوں ۔
لے لیتی ہوں دل آنکھ فرشتے سے ملا کر ۔ انساں ہے بھلا کیا میں نہیں جن سے ڈری ہوں ۔
شعلہ ہے بھبوکا ہے غضب ہے مرا غصہ ۔ جل جائیں پریزاد جو میں گرم ذری ہوں ۔
زندہ نہ رکھے گا مجھے سُن لے گا جو راجہ ۔ شہزادہ گلفام کی صورت پہ مری ہوں ۔
وہ شمع ہیں پروانہ ہوں وہ سرو ہیں قمری ۔ وہ گُل ہے جہاں میں ہیں نسیم سحری ہوں ۔
اُستاد کے دم سے چمنِ حُسن ہے سر سبز ۔ ہیں واسطے طاؤس کے داغِ جگری ہوں ۔

سین دوسرا

(سبز پری اور کالا دیو آتے ہیں)

سبز پری

چوبولہ

راجہ جی تو سو گئے دیا نہ کچھ انعام ۔ جاتی ہوں مَیں باغ میں یہاں مرا کیا کام ۔
سُن رے کالے دیو رے تُو میری اک بات ۔ آتی تھی راجہ کے گھر میں آج کی رات ۔
شہزادہ اک بام پر سوتا تھا نادان ۔ جوبن اُس کا دیکھ کر نکلی میری جان ۔
اُتری اپنے تخت سے رتیر کلیجہ کھائے ۔ سوتا تھا وہ بے خبر ہاتھ پاؤں پھیلائے ۔
صورت اُس کی دیکھ کر دل سے گیا قرار ۔ مُنہ پر مُنہ میں نے رکھا کیا خوب سا پیار ۔
دل میرا لگتا نہیں محفل کے درمیان ۔ قالب میرا ہے یہاں وہاں ہے میری جان ۔
اُس کو گر تو لا اُٹھا جلدی جا کر یار ۔ لونڈی میں ہو جاؤں گی تیری بے تکرار ۔

کالا دیو

گھر میں راجہ کے ہے تو پریوں کی سردار ۔ تجھ سے کر سکتا نہیں ہرگز میں انکار

تیری خاطر ہے مجھے سب سے یہاں سوا۔ پتا بتا معشوق کا لاؤں ابھی اٹھا۔

سبز پری

جا تو سنگلدیپ سے اسنتر نگر میں ہاں۔ سوتا ہے اک ماہرو لال محل پر وہاں۔
چھلا میں دے آئی ہوں اپنا ہے نشان۔ سبز نگوں کی آب سے تو اُس کو پہچان۔

سین تیسرا

(کالا دیو آتا ہے سبز پری منتظر ہے)

کالا دیو

لایا شہزادے کو میں جاکر ہندوستان۔ تو اپنے معشوق کو سبز پری پہچان۔

سبز پری

یہی ہے شہزادہ میرا یہی ہے میری جان یہی مرا دلدار ہے میں اس پر قربان۔

ایضاً

(شہزادے کو جگا کر)

سوتے ہو کیا بے خبر چھوڑ کے تم گھر بار۔ آنکھیں کھولو لاڈلے نیند سے ہوشیار۔

(جاگنا شہزادے کا نیند سے)

گلفام

کوٹھا میرا کیا ہوا چھوٹا کدھر مکان؟ سویا تھا میں کس جگہ آیا ہائے کہاں!
نہ وہ میرے لوگ ہیں نہ وہ میری جا۔ تو اب یہ میں ہوں دیکھتا جاگ رہا ہوں یا؟

غزل

گھر سے یہاں کون خدا کے لئے لایا مجھ کو۔ کس ستمگار نے سوتے سے جگایا مجھ کو؛
حق نے کیا خواب پریشاں یہ دکھایا مجھ کو۔ نظر آتا ہے نہ اپنا نہ پرایا مجھ کو۔
بس میں ظالم کے ہے چھوڑ دیا ہائے غضب۔ دشمن نے کوئی پہونچاں میں نہ آیا مجھ کو۔
حیف صد حیف کسی نے نہ خبر لی میری۔ کیا عزیزوں نے مرے دل سے بھلایا مجھ کو؟

نیند سے آنکھ کسی کی نہ کھلی کوٹھے پر۔ اٹھ کے موذی کے نہ چنگل سے چھڑایا مجھ کو۔
تا دمِ مرگ اب اُمید رہائی کی نہیں۔ کس بلا میں مرے اللہ پھنسایا مجھ کو+
مخلصی کی کوئی تدبیر بتا دو اُستاد ہے بہت گردشِ قسمت نے ستایا مجھ کو۔

گلفام

ذھن بھاگ

(سبز پری سے مخاطب ہوکر)

مجھے کون گھر سے لایا یہاں۔ بتاؤ یہ کس کا ہے گنہ کہاں؟

مجھے کون

سب بچھڑے کوئی سنگ نہ ساتھی۔ عزیزوں کو اپنے پاؤں کہاں!

مجھے کون

دل کا کس کو حال سناؤں؟ سر پر باپ نہ ماں+

مجھے کون

گھر جانے کی آس نہیں ہے۔ پڑی کس مصیبت میں میری جاں+

مجھے کون

پھنس گئے ہم ظالم کے پھندے۔ کوئی اُستاد سے کہیو ہاں+

مجھے کون

سبز پری

دیکھو تم میری طرف گھر کا مت لو نام لونڈی مجھ کو جان کر کرو یہاں آرام+
جو ہونا تھا سو ہوا جانے دو بس خیر چلو پھرو کھاؤ پیو کرو باغ کی سیر+
بتلاؤ اب حسب نسب اور تم اپنا نام۔ رہتے ہو کس کام میں ہے گا کہاں مقام؟

گلفام

محلوں میں رہتا ہوں ہیں عیش سے میرا کام؛ شہزادہ ہوں ہند کا نام مرا گلفام+
تو عورت کس قوم کی اپنا نام بتا۔ دونو شانوں پر ترے نکلا ہے یہ کیا؟

سبز پری

قوم کی ہونگی میں پری سمجھ نہ تو حیوان۔ یہ دونوں پر ہیں مرے اے مورکھ نادان ٭
رہتی ہوں میں قاف میں سبز پری ہے نام۔ راجہ اندر کے یہاں ناچ مرا ہے کام ٭

گلفام

جلدی یہ بتلا مجھے دل کو ہے وسواس۔ میرا آنا کس طرح ہوا ہے تیرے پاس؟

سبز پری

تجھ پہ میں عاشق ہوئی چلتے چلتے راہ اُٹھا منگایا یاں تجھے بھیج کے دیو سیاہ ٭

سر پہ آنکھوں پہ کلیجے پہ بٹھاؤں تجھ کو۔ آمرے پاس گلے سے میں لگاؤں تجھ کو ٭
دل و جاں سے مجھے بھاتی ہیں ادائیں تیری۔ پاس لا چاند سا منہ لوں میں بلائیں تیری ٭

گلفام

وصل کی تیری قسم گھر میں ہے سکا مجھ کو۔ نہ خبردار ابھی ہاتھ لگانا مجھ کو ٭
مجھ کو ناداں نہ سمجھ دور ہو دانا میں ہوں قوم کی تو جو پری ہے تو سیانا میں ہوں ٭
بیسوا تجھ سی زمانے میں نہ ہوگی زنہار۔ آپ بدنام ہوئی مجھ سے چھڑایا گھر بار ٭
بھیج کر دیو مجھے کھینچ بلایا تو نے۔ آدمی زاد کو پھندے میں پھنسایا تو نے ٭

سبز پری

زندگی کا ہے مزا ایسی ملاقاتوں میں۔ جو نکلے مجھ سے بگھارو نہ ذرا باتوں میں ٭
شکر اللہ کا کر لڑ گئی قسمت تیری۔ یک بیک مجھ سی پری کو ہوئی اُلفت تیری ٭
تجھ کو دیوانے نہیں شرم ذری آتی ہے۔ خواب میں بھی کہیں انساں کے پری آتی ہے؟
دیکھ پچتائے گا میرا جو بُرا دل ہوگا۔ وصل تجھ کو نہ پری کا کبھی حاصل ہوگا ٭

گلفام

گھر کے چھٹنے کا ہے غم آہ و فغاں کرتا ہوں؛ وصل کا وعدہ ہیں اس شرط پہ ہاں کرتا ہوں
سنی اندر کی سبھا میں نے کہانی میں ہے؛ اس کا ارمان مجھے جو تمہیں جانی پر ہے ٭

اور جلسوں کا تو ہاں ہند میں بھی چرچا ہے۔ ناچ پریوں کا کبھی میں نے نہیں دیکھا ہے +
ساتھ اپنے مجھے لے چل کے وہ جلسہ دکھلا۔ راجہ اندر کے اکھاڑے کا تماشہ دکھلا +
سیر میں تیرے سبب واں کی جو اک بار کروں۔ جیتے جی پھر نہ کبھی وصل کا انکار کروں +
عمر بھر پاس سے تیرے نہ کہیں جاؤں میں۔ جو کہے تو اُسے آنکھوں سے بجا لاؤں میں +

سبز پری

ایسی باتوں کا زباں پر نہیں لانا اچھا۔ جان آفت میں نہیں مفت پھنسانا اچھا +
دیکھنا اندر کے اکھاڑے پہ عبث جان ہے تو۔ سخت بے عقل ہے دیوانہ ہے نادان ہے تو +
ایسی جا سیر کو انسان نہیں چلتے ہیں۔ واں مری جان پری زاد کے پر جلتے ہیں +
آفت آجائے گی تجھ پر ارے اک آن کے بیچ آدمی زاد کا کیا کام پرستان کے بیچ +
کوئی راجہ کو خبر جا کے لگا دیوے گا۔ پھونک دیوے گا وہ مجھے تجھ کو جلا دیوے گا +
نہ جلائے گا تو آفت میں پھنسائے گا تجھے۔ قید کر کے وہ کنوئیں خوب جھنکائے گا تجھے +

گلفام

میں نہ مانوں گا نہ مانوں گا کبھی بات تری۔ کام کس روز کی آئے گی ملاقات تری +
بات جو اصل تھی میں عقل سے پہچان گیا۔ باعث انکار کا جانی مرا دل جان گیا +
تو کسی دیو کی خدمت میں وہاں آتی ہے۔ اس لئے مجھ کو سبھا میں نہیں لے جاتی ہے +

سبز پری

بات ہرگز یہ زباں سے نہ نکالو صاحب ہوش میں آؤ ذرا منہ کو سنبھالو صاحب +
میں پری ہو کے اور ایسے پہ فدا جان کروں۔ ایڑی چوٹی پہ موئے دیو کو قربان کروں +

گلفام

دل ہر اک شخص کا پھندے میں پھنساتی ہے تو۔ اے پری کیوں مجھے باتوں میں اُڑاتی ہے تو۔
صبح ہوتی ہے مری جان کوئی آن کے بیچ بھیرویں مجھ کو سنا چل کے پرستان کے بیچ +

واں نہ لے جائے گی تو جی سے گزر جاؤں گا۔
میں ابھی اپنا گلا کاٹ کے مر جاؤں گا +

سبز پری

مُفت کی یار خراب اپنی جوانی تو نے۔ ہائے افسوس مری بات نہ مانی تو نے +
اب ملے گا نہ عزیزوں سے نہ ماں باپ سے تُو۔ شیر کے مُنہ میں مری جان چلا آپ سے تُو +
تھک گئے ہونٹ کہاں تک ارے سمجھاؤں میں چل اکھاڑا تجھے اندر کا دکھا لاؤں میں +

گلفام

کس طرح چلنے پہ تیار مری جان ہوں میں۔ تُو پریزاد ہے چالاک اور انسان ہوں میں؟
اُڑ کے تُو جا پڑے گی اک پل میں پرستان کے بیچ ہاتھ پھیلا کے میں رہ جاؤں گا ارمان کے بیچ +
کوئی اُڑ چلنے کی تدبیر بتا دے مجھ کو۔ پر کسی دیو کے تو نوچ کے لادے مجھ کو +

سبز پری

بھکی باتیں نہ کرو ہوش میں آؤ جانی۔ نہ پریزاد ہے بے پر کی اُڑاؤ جانی +
تھام لو پایہ مرے تخت کا اب ہاتھ سے تم۔ چھوٹ جانا نہ کہیں راہ میں پر ساتھ سے تم۔
مجھ سے واں جا کے کوئی بات نہ کہنا صاحب۔ پیچھے پیچھے مرے تم ناچ میں رہنا صاحب +
گا کے اور ناچ کے بُت سب کو بنا دوں گی میں تم کو لے جا کے درختوں میں چھپا دوں گی میں۔
کسی آفت میں یکایک اگر آنا جانی۔ یاد رکھنا کہ مجھے بھول نہ جانا جانی +

ایکٹ دوم

سین اوّل

(اندر کی سبھا میں سبز پری آتی ہے)

سبز پری

چھند

سبھا میں بلوا کر مجھے آپ کیا آرام۔ آئی ہوں میں پھر یہاں کرنے اپنا کام +
کرنے اپنا کام یہاں پھر میں ہوں آئی۔ ٹھمری چھند غزل کی جی میں دُھن ہے سمائی +
سماں بندھے گا آج جو میں جی کھول کے گائی۔ کہیں گے سب اُستاد نے کیا کیا چیز سُنائی +

ٹھمری

دُھن پرج

موری انکھیاں پھر کن لاگیں۔ کیا ہوا یار کدھر گئیں سکھیاں +
انکھیاں پھر کن لاگیں +
دیہہ پھنکت ہے جیا تڑپت ہے۔ پیت لگا کے مجا ہم چکھیاں +
انکھیاں پھر کن لاگیں +
نینن میں ولدار بست ہے۔ یہ انکھیاں الماس پرکھیاں +
انکھیاں پھر کن لاگیں +
بل بل جاؤں میں اُستاد کے بیچ سبھا میں موری پت رکھیاں +
انکھیاں پھر کن لاگیں +

ٹھمری

دُھن پرج

سدہ لاگ رہی توری آٹھ پہر۔ تن من کی نہیں موہے کچھ خبر

سُدھ لاگ رہی۔

رَس باسُر موہے کل نہ پرت ہے۔ دکھلا دے جھلک کہوں ایک نجر۔

سُدھ لاگ رہی۔

عَرَت کرت مورا جیرا ڈرت ہے۔ دل دھرکت دِہینہ کنپت تھر تھر۔

سُدھ لاگ رہی۔

ہر کا پتا اُستنا د لگا دے۔ بوری سی پھرت ہوں جدھر تدھر۔

سُدھ لاگ رہی توری آٹھ پہر۔

غزل

دُھن دیس

بھولا ہوں ہیں عالم کو سرشار اسے کہتے ہیں۔ مستی سے نہیں غافل ہشیار اسے کہتے ہیں۔

دم لے کے مرا چھوڑا آزار اسے کہتے ہیں۔ اچھا نہ رہا اک دن بیمار اسے کہتے ہیں۔

کل گھر سے جو وہ نکلا اک حشر ہوا برپا۔ دل پس گئے عالم کے رفتار اسے کہتے ہیں۔

تصویر کو سکتہ ہے کہتے ہیں اسے نقشہ۔ آئینے کو حیرت ہے رُخسار اسے کہتے ہیں۔

اک رشتۂ اُلفت میں گردن ہے ہزاروں کی۔ تسبیح اُسے کہتے ہیں زُنار اسے کہتے ہیں۔

محشر کا کیا وعدہ یاں شکل نہ دکھلائی۔ اقرار اسے کہتے ہیں انکار اسے کہتے ہیں۔

دل نے شب فرقت میں کیا ساتھ دیا میرا۔ مونس اسے کہتے ہیں غمخوار اسے کہتے ہیں۔

خاموش امانت ہے کچھ اُف بھی نہیں کرتا۔ کیا کیا نہیں اے پیارے اغیار اسے کہتے ہیں۔

غزل

لب جاں بخش کی اُلفت میں لب پر جان آئی ہے۔ مریضِ عشق مرتا ہے مسیحا کی دُہائی ہے۔

نہیں مانجھے کی افشاں اُس کے رُخ پر چھٹکے آئی ہے۔ جبیں نے شربتِ دیدار پر چھڑکی ہوائی ہے۔

شب تاریک فرقت میں کرے کون اپنا دل روشن۔ چراغ اندھا ہے چربی شمع کی آنکھوں پہ چھائی ہے۔

دنو دنقا سے ہے بر رنگِ جلدِ مصحفِ عارض۔ کلام اللہ کی کافر نے کیا صورت بنائی ہے۔

جگہ نضل خدا سے اک مُرت کافر کی ہے دل میں۔ فرشتہ جا نہیں سکتے جہاں اپنی رسائی ہے۔

[library stamp]

ہلاتا ہوں فلک کو بعد مُردن اپنے نالوں سے
لحد میں پاؤں پھیلا کر زمیں سر پر اُٹھائی ہے

خدا کے سامنے گردن جھکانے گا ندامت سے
بتوں کو کر کے سجدہ برہمن نے مُنہ کی کھائی ہے

نہ پُہنچا آپ کو ساعد چُھڑا کر پاس غیروں کے۔
کلائی ہاتھ میں لے کر مرے دل کو کل آئی ہے

مری تُربت کے سبزے پر گماں بیجا ہے شبنم کا
لحد پر موتیوں کی چرخ نے چادر بچھائی ہے

رکھے اللہ عزّت عشق میں کچھ بن نہیں پڑتی
اکیلا میں ہُوں اُس بُت کی طرف ساری خدائی ہے

پھنسی ہے عشق کے پھندے میں بے ڈھب جان امانت کی۔
مدد کو یا علیؑ پہنچو دمِ مشکل کُشائی ہے

غزل

پیدا ہوئے ہیں چاہنے والے نئے نئے۔
انداز یار نے ہیں نکالے نئے نئے

گیسو بڑھا کے روز دیا کرتے ہیں وہ بل۔
ڈسنے کو میرے سانپ ہیں پالے نئے نئے

گردوں کے دَور میں اُنہیں کمل نہیں نصیب۔
جو لوگ اوڑھتے تھے دوشالے نئے نئے

کانٹوں سے اتفاق ہے سبزے سے ہے گریز۔
دیتے ہیں خار پاؤں کے چھالے نئے نئے

مژگاں کی ہیں صفیں فرسِ ناز پر سوار۔
سرکارِ حُسن میں ہیں رسالے نئے نئے

زُلفوں کی وہ لٹوں کو بناتے ہیں ناز سے۔
ہیں گورے گورے ہاتھ میں کالے نئے نئے

ہے ابتدائے عشق امانت خدا بچائے۔
جلاد کے ہوئے ہیں حوالے نئے نئے

(لال دیو آتا ہے)

لال دیو

مہاراج کو حق رکھے شاد کام۔
نئی عرض ہے آج کرتا غلام

میں کھاتا تھا اس دم چمن کی ہوا۔
حقیقت وہ دیکھی کہ ہوش اُڑ گیا

شجر ہے پُرانا جو شمشاد کا۔
گزر واں ہے اک آدمی زاد کا

نہیں کرتی اصلا مری عقل کام۔
وہ انسان ہے یا کہ ماہِ تمام

اُسے کون لایا یہاں اپنے ساتھ۔
ابھی فکر میں کب سے ملتا ہوں ہاتھ

سبز پری

(علیحدہ لال دیو سے)

نہ کر لال دیو اس طرح کے کلام۔ ارے بے مروت زباں اپنی تھام۔
خدا کے غضب سے ذرا دل میں کانپ۔ چغل خور کے مُنہ کو ڈستے ہیں سانپ۔
پری کی طرف دیکھ احمق نہ بن۔ بُرائی سے باز آ بقولِ حسن۔
کسی کی بدی تو نہ کر عیب ہے۔ کہ اُس کا خدا عالم الغیب ہے۔
دل عاشق اس بات سے ہل گیا۔ تجھے ہائے کم بخت کیا مل گیا۔

اندر

ارے دیو تو ہے یہ کیا بک رہا۔ مرے باغ میں کام انساں کا کیا؟
ہوا کس طرح یاں بشر کا گزر۔ پرندوں کے دہشت سے جلتے ہیں پر؟
قدم رکھ سکے جن کی کیا جان ہے۔ فرشتوں کی یاں عقل حیران ہے۔
کسی دیو سے آشنائی نہ ہو۔ پری کوئی ساتھ اُس کو لائی نہ ہو۔
اُسے کھینچ لا پاس میرے شتاب کہ غصے سے ہے حال میرا خراب۔

سین دوم

(لال دیو گلفام کے پاس جاتا ہے)

لال دیو

بشر ہے کہ جن ہے کہ سایا ہے تو۔ پرستان میں کیونکر آیا ہے تو؟
اُٹھا آنکھ کر جلد مجھ سے بیاں۔ بٹھایا تجھے کس نے لاکر یہاں؟
چمن کا کوئی گل کہ بوٹا ہے تو۔ ستارا و یا بن کے ٹوٹا ہے تو؟
پری پر یہ شیدا ترا دل ہوا۔ اکھاڑے میں اندر کے داخل ہوا۔

مرے ساتھ چل جلد اے بے شعور۔
بلایا ہے راجہ نے اپنے حضور۔

سین سوم

(لال دیو گلفام کو گرفتار کر کے اندر کی سبھا میں لاتا ہے)

لال دیو

حضوری میں حاضر ہے یہ شعلہ خو۔ مہاراج صاحب نگہ روبرو +
بجا آپ کا حکم لایا غلام۔ چمن میں پہنچ کر کیا اپنا کام +
شجر کے تلے سے اُٹھایا اسے۔ سبھا کی طرف کھینچ لایا اسے +
ڈرا میں نہ کچھ اس کی فریاد سے۔ اُڑا لایا قمری کو شمشاد سے +
ستم کیجئے جو سزاوار ہے۔ کھڑا دست بستہ گنہگار ہے +

اندر

ارے کون ہے تو ترا کیا ہے نام۔ سبھا تو نے کی میری برہم تمام؟
تجھے لایا یاں کون اے بدصفات۔ بیاں مجھ سے کر جلد یہ واردات؟
کیا قصد تو نے پرستان کا۔ نہ خوف آیا اپنی تجھے جان کا؟
مری ساری محفل کی لی آبرو۔ یہاں گھورنے آیا پریوں کو تو؟
بتا حال آنے کا اے دردناک۔ جلا کر ابھی ورنہ کردوں گا خاک +

گلفام

کہوں کیا فلک کا ستایا ہوں میں۔ یہاں کھیل کر جی پہ آیا ہوں میں +
پری سبز جو ہے اکھاڑے میں یاں۔ اُسی کا ہوں دیوانہ میں نیم جاں +
سبھا کی سدا دھوم سنتا تھا میں۔ اسی فکر میں سر کو دھنتا تھا میں +
وہ آنے لگی آج کی شب جو یاں۔ لٹک کر ہوا تخت میں میں رواں +
بلا میں ہوا یاں گرفتار ہوں۔ جو چاہو سزا دو گنہگار ہوں +

اندر

اری او پری سبز او بے حیا! مرے سامنے جلد آ ہو سوا؟

نھڑی ہے تری ذات بنیاد پر۔ کہ عاشق ہوئی آدمی زاد پر
بنایا اری تونے انساں کو یار۔ بقولِ حسن سُن تو اے نابکار
ترا رنگ غیرت سے اُڑتا نہیں۔ تجھے کیا پریزاد جُڑتا نہیں؟
سبھا میں لگا لائی انساں کو ساتھ۔ ترا اب گریباں ہے اور میرا ہاتھ

سبز پری

(اندر سے)

جفا و ستم کی سزاوار ہوں۔ حقیقت میں تیری گنہگار ہوں

(گلفام سے)

ارے کیوں میں واں تجھ سے کہتی تھی کیا۔ نہ مانا مرا ہائے تو نے کہا
بلا میں پڑا آپ بھی بے خطا۔ مجھے بھی اکھاڑے میں رُسوا کیا
کہاں پھینکے اب دیکھوں راجہ تجھے۔ خدا کو مری جان سونپا تجھے
جو جیتے ہیں تو پھر بھی مِل جائیں گے۔ نہیں تو کئے کی سزا پائیں گے

اندر

ارے دیو کر قصد بیداد کا۔ پکڑ ہاتھ اُس آدمی زاد کا
کنواں وہ جو ہے قاف میں پُرخطر۔ ابھی اُس میں جا کر اسے قید کر
پری سبز جو ہے یہ آگے کھڑی۔ خطا کی ہے اس بیسوا نے بڑی
سو تو نوچ کر اس کے پر اور بال اکھاڑے سے میرے ابھی دے نکال

سین چہارم

(پردوں کے اندر سے دیو جوگن کی آمد گاتے ہیں اور اُس کے بعد سبز پری جوگن کے بھیس میں آتی ہے)

دیو

جوگن آتی ہے پری بھی کے پرستان کے بیچ سمرنیں ہاتھوں میں مندرے ہیں بڑے کان کے بیچ

سر پہ انڈوا ہے رکھا منہ پہ رمائی ہے بھبوت۔ سیلیاں ڈالے ہے گردن میں گریبان کے بیچ
چال متوالی ہے آنکھیں ہیں مے عشق سے لال۔ مست شہزادہ گلفام کے ہے دھیان کے بیچ
سر کو دُھنتے ہیں صدا سُن کے چرند اور پرند۔ بھیرویں کا عجب انداز ہے ہر تان کے بیچ
طالب بوسہ ہیں لب دید کی مشتاق آنکھیں۔ دل ہے سینے میں طپاں وصل کے ارمان کے بیچ
کہیں گلفام کا کوسوں نہیں ملتا ہے پتا۔ خاک اُڑاتی ہوئی پھرتی ہے بیابان کے بیچ
غمزہ آفت ہے قیامت ہیں ادائیں اُس کی۔ حشر عالم میں بپا کرتی ہے اک آن کے بیچ
سبز جوڑے میں ہے کیا چہرۂ روشن کی ضیا۔ صبح کو چاندنے ہے کھیت کیا دھان کے بیچ
دیو مدہوش ہیں پریوں میں نہیں دم اُستاد۔ جن تڑپتے ہیں پڑے جان نہیں جان کے بیچ

جوگن

(ٹھمری دُھن بھیرویں)

میں تو شہزادہ کو ڈھونڈن چلیاں انگ بھبوت جوگن بن ملیاں
چھان پھری سب گلیاں۔ میں تو

جی جاوت ہے ڈگر نہیں آوت۔ ہم مخلوں کی پلیاں رے
لٹ چھٹکا کے بھیس بنا کے۔ دیس بدیس نکلیاں رے
انگ بھبوت جوگن بن ملیاں۔ چھان پھری سب گلیاں
میں تو شہزادے کو ڈھونڈن چلیاں

سیس بکس گیو پاؤں جھلس گیو۔ دھوپ میں بن بن چلیاں رے
تن کمھلا گیو مکھ مرجھا گیو۔ جیسے گلاب کی کلیاں رے
انگ بھبوت جوگن بن ملیاں۔ چھان پھری سب گلیاں
میں تو شہزادے کو ڈھونڈن چلیاں

جگ دشمن ہے راہ کٹھن ہے۔ بلا ہیں کیونکر ٹلیاں رے
جا جا نے کہو اُستاد سے جا کے۔ انکھیاں لوگ بدلیاں رے
انگ بھبوت جوگن بن ملیاں۔ چھان پھری سب گلیاں

مَیں تو شہزادے کو ڈھونڈن چلیاں۔

ٹھمری

(دُھن بھیرویں)

کہاں پاؤں کہاں پاؤں یار رے ہیں۔

انترہ

یار کی چھاؤں بخبر نہیں آوت۔ ڈھونڈت ہوں سنسار رے ہیں۔

کہاں پاؤں

کارنے کروں کِتّ ہیرن جاؤں۔ سوچت ہوں بار بار رے ہیں۔

کہاں پاؤں

سُپنے میں دلدار کو پاکے چونک پری بھنسار رے ہیں۔

کہاں پاؤں

پیاکارن اُستاد کے جاکے۔ ہو ہیوں گلے کا ہار رے ہیں۔

کہاں پاؤں کہاں پاؤں یار رے ہیں۔

غزل

مرتا ہوں ترے ہجر میں اے یار خبر لے۔ اب جان سے جاتا ہے یہ بیمار خبر لے۔

پھرتا ہوں تصوّر میں ترے صبح سے تاشام۔ بیتاب ہے یہ طالب دیدار خبر لے۔

بازارِ وفا گرم ہے اے یوسفِ ثانی۔ دل بیچتا ہے تیرا خریدار خبر لے۔

ڈھونڈے سے بھی اب تیرا ٹھکانا نہیں ملتا۔ ہوں چھان رہا کوچہ و بازار خبر لے۔

دُنیا میں کوئی آن کوئی دم کا ہوں مہمان۔ اب سانس ہے لینا مجھے دُشوار خبر لے۔

آنکھیں ہیں لگیں در سے دکھا شکل خدارا۔ سر پھوڑ رہا ہوں پسِ دیوار خبر لے۔

اتنا بھی نہیں چاہیئے عاشق سے تغافل سو بار اگر ٹال، تو اک بار خبر لے۔

آغازِ محبت میں نہیں زیست کی اُمید مرتا ہے ترا تازہ گرفتار خبر لے۔

للہ دکھا شکل اب اوئے طفلِ برہمن۔ اے بے خبر اے بستۂ زُنّار خبر لے۔

HYDERABAD D-500029

سنتے ہیں کہ فرقت میں تڑپتا ہے امانت۔ جلد اے بتِ بے دیں پئے غفار خبر لے +

غزل

(دھن بھیرویں)

روح بدن میں ہے طپاں جی کو ہے کل بے کلی۔ جلد خبر لو ہمدمو جان فراق میں چلی +
بادِ صبا جو صبح دم باغ میں ناز سے چلی۔ نخل نہال ہو گئے پھول گئی کلی کلی +
سانپ کی طرح خط بڑھا چہرۂ صاف اُتر گیا۔ آیا زوال یار پر حسن کی دوپہر ڈھلی +
تجھ سا نہ شکریں دہن ہو گا حسین کوہکن۔ شاخِ نبات ہونٹ ہیں بات نبات کی ڈلی +
تارکشی دوپٹہ تو اوڑھے کرن جو ٹانک کے۔ ہو شبِ ماہتاب ہیں کیا ہی صنم جھلا جھلی +
چلتا ہے باغ میں وہ گل جبکہ اُٹھا کے پائنچے۔ خار ہر ایک پھول کو دیتی ہے کیا کلی کلی +
قصد کیا جو اب نہیں اُس گل تر نے سیر کا۔ سبزے نے دور تک کیا دشت میں فرشِ مخملی +
پارسا نازنیں کوئی کب ہے ریاضِ دہر میں۔ بوجھ سے دردِ سر ہوا جوڑا جو پہنا صندلی +
مَیں نے شبِ فراق میں کی جو اک آہ آتشیں۔ جسم یہ شمع کا پھنکا کہنے لگی جلی جلی +
آئی بہار ساقیا جام شراب دے پلا۔ پھول کھلے پھلے شجر ابر اُٹھا ہوا چلی +
زلفِ دراز قطع کی مجھ سے اُلجھ کے یار نے۔ جان چھٹی عذاب سے روگ گیا بلا ٹلی +
تیری بھوؤں میں بل پڑا قتل ہوا مَیں تیغ سے۔ تیری اُدھر پلک ہلی مجھ پہ ادھر چھری چلی +
بہکے زمینِ شعر میں پاؤں امانت اپنا کیا۔ جب ہوئی لغزش اک ذرا نکلا زباں سے یا علی +

(اس عرصے میں کالا دیو جوگن کا گانا چھپ کر سنتا رہتا ہے اور چلا جاتا ہے)

سین پنجم

(اندر کی سبھا میں کالا دیو داخل ہوتا ہے)

کالا دیو

خدا راجہ جی کو رکھے شادماں۔ جو ہو جان بخشی تو کھولوں زباں +
پرستان میں جوگن اک آئی ہے۔ خلائق سب اُس کی تماشائی ہے +

وہ ہے ناچتی گاتی اس آن سے۔ کہ جن صدقے ہوتے ہیں سو جان سے۔
غضب بھیرویں کی ہر اک تان ہے خدائی کا دل اُس پہ قربان ہے۔
مَلی ہے بھبُوت اور افشاں چُنی۔ نہ دیکھی ہے جوگن نہ ایسی سُنی۔

اندر

نہ کر دیر اے دیو بہر خدا۔ اکھاڑے میں میرے اُسے جلد لا۔
مَیں دیکھوں وہ جوگن ہے کس شان کی پری ہے وہ یا قسم انسان کی۔
کسی دیو جن کی ستائی نہ ہو۔ مرے پاس فریاد لائی نہ ہو۔
مزا راگ کا ناچ کا ذوق ہے۔ فقیروں سے مجھ کو بہت شوق ہے۔
نہ لائے وہ کچھ اور دل میں خیال دکھائے مجھے آکے اپنا کمال۔

سین ششم

(کالا دیو جوگن کے پاس آتا ہے)

کالا دیو

اری جوگن اب دل میں ہو اپنے شاد۔ کیا ہے تجھے راجہ اندر نے یاد۔
کسی سے ترا اُس نے سُن لیا ہے جو حال۔ ملاقات کا شوق اُسے ہے کمال۔
مرا دیر کرنا اُسے شاق ہے۔ ترے ناچ گانے کا مشتاق ہے۔
مُراد اب ترے دل کی بر آئے گی۔ جو مانگے گی وہ چیز مل جائے گی۔
نہ پھر عمر بھر تو کرے گی سوال۔ وہ اک دم میں کر دے گا تجھ کو نہال۔

جوگن

یہ باتیں زباں پر نہ لانا کبھی۔ فقیروں سے اچھی نہیں دل لگی۔
بڑا وہ مراد دینے والا ہوا۔ خوشامد سے منہ تیرا کالا ہوا۔
فقیروں کو دولت کی پروا نہیں۔ یہاں ہر کسے افضال سے کیا نہیں۔

جو گانے کا راجہ طلب گار ہے۔ تو یاں کس کو چلنے میں انکار ہے،
طبیعت مخاطب اگر پاؤں گی۔ جو آتا ہے مجھ کو سُنا آؤں گی،

(جوگن کالے دیو کے ساتھ جاتی ہے)

سین ہفتم

(اندر کی سبھا میں کالا دیو جوگن کو ساتھ لیکر آتا ہے)

کالا دیو

مہاراج کیجے اِدھر اب نگاہ۔ یہ جوگن ہے حاضر بحالِ تباہ،
ملا کس خرابی سے اس کا نشاں۔ ہوا میں پرستاں میں ہر سُو رواں،
بہت جلد خدمت میں آیا ہوں مَیں۔ اکھاڑے میں جوگن کو لایا ہوں مَیں،
عجب خوش گلو ہے یہ زہرہ جبیں۔ اُڑاتی ہے جنگلے میں کیا بھیرویں،
ہر اک تان پر لوٹ جاتا ہے جی۔ سُنا ہوگا گانا نہ ایسا کبھی،

اندر

ارے جوگن اے درد کی مبتلا۔ فقیروں کا کیوں بھیس تو نے کیا؟
فدا کس پہ ہے کس پہ شیدا ہے تُو۔ کوئی آدمی ہے پری یا ہے تُو؟
کہاں سے یہاں تیرا آنا ہوا۔ کہ مشتاق سارا زمانہ ہوا،
کسے ڈھونڈتی پھرتی ہے کو بکُو۔ اُڑاتی ہے کیوں خاک جنگل کی تو؟
سُنا اپنا گانا مجھے بھی ذرا اُڑا بھیرویں چھیڑ یا جو گیا،

جوگن

مہاراج پوچھو نہ جوگن کا حال۔ فقیروں کا دِل درد سے ہے نڈھال،
مرا مجھ سے معشوق ہے چھُٹ گیا۔ مرا راج اس دیس میں لُٹ گیا،
یہاں ڈھونڈنے اُس کو آئی ہوں مَیں۔ بروگن ہوں غم کی ستائی ہوئی ہوں مَیں،

سُناتی ہوں گانا جو ہے مجھ کو یاد۔ عجب کیا جو مل جائے دل کی مراد*
اگر راگ سے غیر ہو دل کا حال۔ نہ جوگن کا رد کیجئے گا سوال*

ٹھمری

(دُھن بھیرویں)

کہاں گیو شہزادہ جانی پیارا۔ دل ترپے رے ہمارا*
کہاں گیو
واکا پتا کہوں لاگت ناہیں۔ ڈھونڈ پھری بن سارا*
کہاں گیو
بن جانی کے اِن نینن میں۔ رَین دِنا اندھیارا*
کہاں گیو
گُیاں مَیں جیسے سُر کہہ بچھریا۔ ترپت ہوگا بچارا*
کہاں گیو
کوؤ کہے اُستاد سے جاکے۔ تُمرے دم کا سہارا*
کہاں گیو

(اندر جوگن کو گلوری دیتا ہے)

جوگن

(نثر مُقفّٰے)

پان لے کے کیا کروں کسی سبزہ رنگ کا دھیان ہے۔ ہڈیاں چونا ہیں بدن دھان پان ہے۔ عشق لہو پی پی کے رنگ دلایا ہے۔ فراق نے قتل کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ گلوری لئے مجھے کیا تکتا ہے۔ فقیروں کا مُنہ کون کیل سکتا ہے*

ہولی

(دُھن بھیرویں)

جبر جاءیے گُیاں ایسی ہو ری۔ بن سیّاں دینہہ سُلگت موری*

بھاگ سہاگ پیا سنگ بھاگو۔ سب چوریاں ہم توری +
سر کھ چنریا اُڑھاؤ نہ سجنی۔ تن من آگ لگوری +
بن سیّاں دہنہ سُلگت موری +

عبیر گلال ملاؤ نہ کھاک میں۔ کیسو بھاگ کیسی ہوری +
آنگن کے بیچ رنگ بھری گاگر۔ دیو ہنک بھر جوری +
بن سیّاں دہنہ سُلگت موری +

بن پیا مکھ پر مار کے تھاپر۔ کھوب گلال ملو ری +
نینن کی پچکاری بنا کے۔ انسُون رنگ میں بوری +
بن سیّاں دہنہ سُلگت موری +

ٹھگ ماری یوں ٹھاڑی ہوں اُن بن۔ جیسے کینی ہے چوری +
کا مکھ لے اُستاد کے جاؤں۔ جیانے آچھت توری +
بن سیّاں دہنہ سُلگت موری +

(ہار دینا راجہ اندر کا جوگن کو)

جوگن

(نثر مقفےٰ)

ہار نہ ہار نہ تو نگی دل کو خار ہے۔ اپنا گلعذار گلے کا ہار ہو تو بہار ہے +

غزل

(جوجن بھیرویں)

دل کو چین اک دم تہ چرخ کہن ملتا نہیں۔ وہ مرا گلفام وہ گل پیرہن ملتا نہیں +
کس طرف صرصر مرے گل کو اُڑا کر لے گئی۔ گلشن عالم میں وہ رشک چمن ملتا نہیں +
باولی ہوں ہجر الفت میں زلیخا کی طرح۔ یوسف گم گشتہ کا پیارہ ذقن ملتا نہیں +
زندگی سے تنگ ہوں بے یار باغ دہر میں۔ بیکلی ہے دل کو وہ غنچہ دہن ملتا نہیں +
جیتے جی جس پر مرے انساں کرے ترک لباس۔ بعد مردن اُس کے ہاتھوں سے کفن ملتا نہیں۔

شکلِ طاؤسِ گلستاں ہوں سراپا داغ دار
گُل بدن پر کھائے ہیں وہ گُل بدن ملتا نہیں +

جس کی خاطر جھانکتی ہوں بحرِ عالم میں کنوئیں۔
وہ غریقِ قلزمِ رنج و محن ملتا نہیں +

کرتی ہوں کوکو سدا صحرا میں قمری کی طرح۔
پر کہیں وہ غیرتِ سروِ چمن ملتا نہیں +

کانٹے تلووں میں چھبے ہیں جاکے اب ڈھونڈوں کہاں۔
بیر بوں میں بھی مرا نازک بدن ملتا نہیں +

صورتِ فرہاد میں نے چھان مارے سب پہاڑ۔
پر کوئی استاد سا شیریں سخن ملتا نہیں +

(شالی رومال دینا راجہ اندر کا جوگن کو)

جوگن

(نثرِ مقفّٰی)

رومال اُنہیں دیجئے جو تنگ دست ہیں۔ فقیر اپنی کملی میں مست ہیں۔ عشق کی گرمی نے مارا ہے۔ پشمینے سے کنارا ہے۔ راجہ کے دوار میں پتلے سے آئی ہوں۔ جو مانگوں سو پاؤں +

(اقرار کرنا راجہ کا سر کے اشارے سے)

جوگن

ہوتا ہے کوئی آن میں اب کام ہمارا۔
انعام میں دیجے ہمیں گلفام ہمارا +

اب چاہ سے یوسف کو نکلواؤ ہمارے۔
گھٹتا ہے اندھیرے میں دلارام ہمارا +

عاشق نے ترے مانگ لیا راجہ سے تجھ کو
دے آئے کوئی اُس کو یہ پیغام ہمارا +

آجائے اگر یار تو چھاتی سے لگالیں۔
سینے میں طپاں ہے دلِ ناکام ہمارا +

اب وصل کے لُوٹیں گے مزے خلق میں بےخوف
آغاز سے بہتر ہوا انجام ہمارا +

منگوائیے شہزادے کو اب دیر نہ کیجے
نام آپ کا ہو خلق میں اور کام ہمارا +

اللہ مددگار ہے ہر حال میں اُستاد
کر سکتی ہے کیا گردشِ ایام ہمارا +

(بھیجنا راجہ اندر کا سبز پری کو)

اندر

ارے لال دیو اِس طرف جلد آ۔
بڑا مجھ کو جوگن نے دھوکا دیا +

بناوٹ کی تھی ساری جادوگری۔ نہیں آدمی سبز ہے یہ پری +
اسے زر کی خواہش نیاں لائی تھی۔ چھڑانے گرفتار کو آئی تھی +
کبھی اس کو ملتا نہ وہ گلعذار۔ مگر قول ہارا ہوں میں تین بار +
نکال اب کنوئیں سے تو گلفام کو۔ حوالے کر اس نیک انجام کو +

سین ہشتم

(گلفام اور سبز پری داخل ہوتے ہیں)

سبز پری

قہر تھا ہجر قیامت تھی جدائی تیری۔ میرے خالق نے مجھے شکل دکھائی تیری +

گلفام

خاک ہے منہ پہ ملی بال ہیں سر کے بکھرے۔ ہائے اس عشق نے کیا شکل بنائی تیری +

سبز پری

مجھ پہ ہونا تھا جو کچھ ہو گیا اس کا نہیں غم ہو گئی قید مصیبت سے رہائی تیری +

گلفام

تو مرے آگے نکل گئی تھی نوچ کے پر۔ راجہ تک پھر ہوئی کس طرح رسائی تیری؟

سبز پری

بن کے جوگن ہوئی اندر کی سبھا میں داخل۔ پھر یہاں چاہ مجھے کھینچ کے لائی تیری +

گلفام

کہہ کے راجہ سے مجھے کس نے تجھے دلوایا۔ دشمن جاں تھی مری جان خدائی تیری؟

سبز پری

گا کے اور ناچ کے راجہ کو رجھایا میں نے۔ تب ملاقات میسر مجھے آئی تیری +

گلفام

زر کی طالب نہ ہوئی مجھ کو لیا راجہ سے۔ اب شرف لے گئی شاہی پہ گدائی تیری +

سبز پری

دیو کم بخت نے کس زور سے پہنچا پکڑا۔ ہو گئی لال نزاکت سے کلائی تیری +

گلفام

مرضِ عشق نے سارا اترا جوبن لوٹا۔ آدھی صورت بخدا میں نے نہ پائی تیری +

سبز پری

قید نے کر دیا بیمار سے تجھ کو بدتر۔ گھر میں لے چل کے کروں گی میں دوائی تیری +

گلفام

پنڈلیاں سوجی ہیں تلووں میں چُبھے ہیں کانٹے خار دیتی ہے مجھے برہنہ پائی تیری +

سبز پری

مجھ کو ایذا ہوئی پاپوش کے صدقے سے ہوئی۔ جان اللہ نے گلفام بچائی تیری +

گلفام

میں ترے ہاتھ لگا تو مرے پھندے میں پھنسی۔ میرا مطلب ہوا اُمید بر آئی تیری +

سبز پری

ہے تمنا یہ مرے دل میں کہ اب حشر تلک فضلِ اُستاد سے دیکھوں نہ جُدائی تیری +

(سب پریوں کا آنا اور مبارکباد گانا)

شادیِ جلوۂ گلفام مبارک ہووے۔ عیش و عشرت کا سرانجام مبارک ہووے +

بعد مدت کے حسینوں کا نصیبا جاگا۔ فرشِ راحت پہ اب آرام مبارک ہووے +

سرو قمری کو سزاوار ہو بلبل کو گل۔ ہم کو یہ سرو گل اندام مبارک ہووے +

پی چکے خونِ جگر ہجر میں جی بھر بھر کے۔ شربتِ وصل کا اب جام مبارک ہووے +

تخت پر ہم کو مبارک ہو جہاں میں پھرنا۔ غیر کو گردشِ ایام مبارک ہووے +

ہو چکے عشق میں بدنام بڑی مدت تک۔ اب زمانے میں ہمیں نام مبارک ہووے +

جعل سازوں کے نہ پھندے میں پھنسے طائرِ دل۔ گیسوؤں کا ہمیں اب دام مبارک ہووے +

حوریں جنّت کو مبارک ہوں فلک کو تارے ۔ باغ کو گل ہمیں گلفام مبارک ہووے ۔
چھپنے شہزادے کو اب راجہ نہ ہم سے اُستاد ۔ یہ امانت سحر و شام مبارک ہووے ۔

پردہ

تاریخ اندر سبھا طبع زاد مصنّف

ہوئی اندر سبھا جس دم مرتّب ۔ جہاں نے سُن کے توصیف و ثنا کی ۔
بتوں نے دی صدا اللہ اللہ ۔ ہر اک مصرعہ ہے یا قدرت خدا کی ۔
ہوا جو یاد جس کو بے اُترا وہ ۔ زباں کس کس نے گانے پر نہ وا کی ۔
کسی نے یاد کے لکھے کسی نے ۔ کسی نے جستجو لا انتہا کی
اُڑی شہرت جب اس کی لکھنؤ میں ۔ امانت سب نے خواہش جابجا کی

زروئے وجد بول اُٹھے پریزاد ۔
خلائق میں ہے دھوم اندر سبھا کی ۔

سنہ ۱۲۷۰ ہجری

تاریخ نو طبع اندر سبھا طبع زاد مصنّف

سہ بارہ چھپی جب رہس کی کتاب ۔ پری رو ہوئے شادماں جابجا ۔
حسینوں نے پڑھ کر کیا یہ کلام ۔ عجب حسنِ بندش ہے نامِ خدا ۔
نئی اس میں چیزیں جب آئیں نظر ۔ تعجب سے اہلِ خرد نے کہا ۔
پرانے چمن میں پھر آئی بہار ۔ کیا پھر امانت نے اس کو نیا ۔
بتوں نے صدا دی زروئے یقیں ۔ چھپی پھر خدائی میں اندر سبھا ۔
۱۲۷۵ھ

قطعہ خاتمۂ اندرسبھا طبع زاد مصنّف

گزر کر دہر میں اپنی نظر سے۔ صحیح اندرسبھا بس یہ چھپی ہے
غلط اس میں نہیں ہے ایک نقطہ برائے صحت اس پہ مُہر کی ہے

ا

حواشی

(۱) صفحہ ۲۳ آمد کو پرولوگ یا سنسکرت ڈراما کی نندی سمجھنا چاہیئے +

(۲) صفحہ ۲۳ ہندو دیومالا میں اندر سب سے بڑا دیوتا ہے اگنی - ہوا - بادل - رعد - اور برق سب اس کے قبضۂ اقتدار میں ہیں + اس لیئے انسان اسے ان داتا جانتے ہیں - اور یہی وجہ ہے - کہ ویدوں میں سب سے زیادہ بھجن اسی سے منسوب ہیں + اس لحاظ سے اندر قدیم آریائی دیوتا ویاس کا قائم مقام ہے +

اندر عیش و عشرت - ہوس پرستی اور رقص و سرود کا بھی دیوتا ہے - جن و انس میں جہاں کوئی حسین و جمیل عورت دیکھ پاتا ہے جب تک اُسے اندر اس میں داخل نہ کرے دم نہیں لیتا + سوم رس (شراب) کا رسیا ہے - خود پیتا ہے اوروں کو پلاتا ہے - اور اس کے شرب کو داخل ثواب بیان کرتا ہے - چند حیثیتوں سے اندر یونانی دیوتا باکس سے ملتا جلتا ہے +

اندر امر (غیر فانی) نہیں - اس کی حیات کا دار مدار اندرا سن کی حکومت پر ہے + حکومت ہاتھ سے نکلی تو جان بھی گئی + ریاضت کے بل پر انسان تک اندر کی منزلت حاصل کر سکتے ہیں + یہی وجہ ہے کہ اندر کو ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا ہے - کہ مبادا کوئی شخص بھگتی کی اس حد تک پہنچ جائے - کہ اندرا سن کے ساتھ جان کا لاگو ثابت ہو + اس روک تھام میں وہ مکر و فریب کے وہ وسائل اختیار کرتا ہے جنہیں اندر جال کہتے ہیں + اس کی بیوی اندرانی امر ہے - اور حسن و رعنائی میں اپنا جواب نہیں رکھتی - وہ دائمی اندرانی اور سدا سہاگن ہے - کیونکہ خواہ کوئی اندر ہو - وہ اس کی رانی بن جاتی ہے + یہ بھی ایک وجہ ہے - کہ اندر کیوں انسان سے اس قدر کھٹکتا ہے اور اس کی ریاضت کو پروان نہیں چڑھنے دیتا + راون کا ایک بیٹا اسی قدر بھگت بن گیا - کہ اس نے اندر کو مات کر کے اندر جیت کا خطاب حاصل کیا + مگر اسے چند پر دنے کو اندر نے گنگھ خلاصی حاصل کی +

شبیہ ہیں اس کے چار بازو اور چار ہاتھ ہوتے ہیں۔ دو ہاتھوں سے قلم پکڑے ہے۔ تیسرے میں ریندے اور چوتھا خالی ہے۔ جو غالباً اس بات کی علامت ہے۔ کہ اندر کو بھی من کی پوری کامنا حاصل نہیں۔ اور باوجود اتنا کچھ ہونے کے۔ وہ پھر بھی خالی ہاتھ ہے۔ مگر اس کی وہ تصویر بہت ہر دل عزیز ہے جس میں اس کے دو بازو اور دو ہاتھ ہیں۔ اپنے کھنے ہاتھی ایراوتی پر سوار ہے۔ اور سارے بدن پر آنکھیں ہی آنکھیں ہیں جس سے یہ مطلب ہے۔ کہ وہ ہمہ تن چشم ہے۔ ان آنکھوں کی کثرت کے باعث اسے سہسراکھ یعنی ہزار چشم کہتے ہیں ✤

(۳) صفحہ ۲۳ پری سے مراد اندر اسن کی اُپسرا ہے۔ گو منشی اقبال ورما صاحب سحر نے اپنی مثنوی شکنتلا میں اُپسرا کا ترجمہ حور کیا ہے۔ مگر اس کا مترادف پری ہی متداول رہے ✤

(۴) دیوتوں سے مراد گندھرو ہیں جو اندر کے گویے اور خادم ہوتے ہیں۔ روایت ہے کہ جب اُپسرائیں دریا سے پیدا ہوئیں۔ تو کسی نے انھیں بیوی بنانا پسند نہ کیا۔ اس لئے وہ گندھروؤں کے حصے میں آئیں ✤ اُپسرا حسین تو بلا کی ہوتی ہیں۔ مگر جوہر عصمت کی چنداں پروا نہیں کرتیں ✤ جو پسند آیا اسی کی ہو رہیں۔ انسان۔ دیوتا۔ راکشس کسی سے بند نہیں۔ وہ شکل تبدیل کر سکتی ہیں۔ اور جس پر مہربان ہو جاتی ہیں۔ اُسے مالا مال کر دیتی ہیں ✤ بسا اوقات اندر خود انھیں انسانوں کی خدمت میں بھیج دیتا ہے تاکہ وہ اپنے ناز و کرشمے سے ان کے گیان دھیان میں کھنڈت ڈالیں ✤

اسی نسبت سے دھرم شاستر میں گندھرو بیاہ اُس شادی کو کہتے ہیں جس میں صرف کسی مرد اور عورت کا باہمی رضامند ہو جانا حقوق ازدواج قائم کر دیتا ہے ✤

(۵) صفحہ ۲۴ چوبولا ہندی زبان کا گیت جس کے ابتدا میں چار مصرعے ہوتے تھے ✤

(۶) صفحہ ۲۴ سنگدیپ سے مراد اندر دیس یعنی اندر اسن ہے ✤ یہ اندر کا

محل ہے۔ جو کوہ میرو پر واقع ہے۔ اس شہر کو آسمانی انجنیر دسوکرم نے آباد کیا تھا۔ یہ آٹھسو میل مبا اور چالیس میل بلند ہے۔ مکانات خالص کندن کے ہیں۔ جن کے دروازے ہیروں سے بنائے ہیں + باغوں میں پھل کثرت سے ہوتے ہیں۔ سائے دار درختوں اور خوشبودار پھولوں کے درمیان اپسرائیں گھومتی پھرتی ہیں۔ اور گندھرو ہر وقت نغمہ سرائی میں مشغول رہتے ہیں + اماننٹ نے اسے کوہ قاف کا مرادف قرار دیا ہے + کہتے ہیں۔ کہ یہ ہمالیہ کے شمال میں واقع ہے + پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی۔ مثنوی گلزار نسیم میں اندراسن کے متعلق فرماتے ہیں ؎

اندراسن امر نگر ہے شہر ایک۔ خلقت ہے وہاں کی زندہ دل نیک +
اندر ہے بادشاہ اس کا۔ آسن ہے تخت گاہ اُس کا +
مضموں وہ قضا سے اس قدر ہے۔ اس بستی کا نام امر نگر ہے +
کہتے ہیں مور خان ہندی۔ آباد ہُوا یہ ہے وہ بستی +

(۵) صفحہ ـــ ایک قسم کا چھوٹا سا گیت۔ جس کے گانے کی لے زیادہ شوخ اور عام پسند ہوتی ہے۔ اور تال عموماً تیتالہ۔ اس میں عموماً عاشقانہ مضامین ہوتے ہیں +

(۸) صفحہ ـــ اس شعر میں اس خطرے کی طرف اشارہ ہے۔ جس کا ذکر اندر کے بیان میں ہو چکا ہے۔ اور اس میں اُن ترددات کی بھی جھلک پائی جاتی ہے۔ جو اُس زمانے میں واجد علی شاہ کو تھے +

(۹) صفحہ ـــ ہندی چھ رُتوں میں سے پہلی رُت کا نام ہے۔ جو چیت سے بیساکھ تک رہتی ہے۔ ہندوستان میں موسمِ بہار کے یہی دن ہوتے ہیں + اس موسم میں عام لوگ نغمات فحش و تعشق انگیز گاتے ہیں + دیکھنا شاعرِ باکمال نے ایک مبتذل چیز کو اُٹھا کر کس معراج پر پہنچا دیا ہے +

(۱۰) صنعت ـــــ ایک قسم کے گیت جو ہولی کے موسم میں گائے جاتے ہیں۔ اور کرشن جی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ یہ دُھرپت کی مانند ہے۔ اس کی مخصوص تال دھمال ہے ÷

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپال داس پرنٹر چھپا)